86

فتاویٰ فرنگی محل

موسوم بہ

فتاویٰ قادریہ

الحاج مفتی محمد عبدالقادرؒ (مفتی فرنگی محل) کے

فتووں کا انتخاب

مرتب

(مفتی) محمد رضا انصاری

5/50

اوران علما کا اختلاف علت کراہت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو حضرات مطلقاً اس مکان میں نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے ہیں جس میں تصویر آویزاں ہو ان کے نزدیک کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس مکان میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے ہیں اور جس مکان میں رحمت کے فرشتے نہ جائیں وہ بدترین محل ہے اور بدترین جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور بعض حضرات نماز کے مکروہ ہونے کی علت تصویر کی تعظیم یا عبدۃ الاوثان (بت پرستوں) کی عبادت سے مشابہت کو علت ٹھہراتے ہیں۔ پس اگر کسی مکان میں تصویر آویزاں ہو اور اس مکان میں نماز پڑھنے کی وجہ سے تصویر کی تعظیم کے ساتھ بت پرستوں کی عبادت سے مشابہت بھی پائی جائے تو نماز میں کراہت شدیدہ پائی جائے گی جیسے اس مکان میں تصویر نماز پڑھنے والے کے سامنے ہو اور اگر صرف تعظیم تصویر کی ہوتی ہو اور مشابہت بت پرستوں کی عبادت سے نہ پائی جائے تو بقدر تعظیم کراہت میں تفاوت ہوتا جائے گا بنا علیہ جو تصویر قبلہ رخ آویزاں نہ ہو بلکہ نماز پڑھنے والے کے سر پر آویزاں ہو تو اس کی کراہت زیادہ ہوگی اور اگر دائیں بائیں آویزاں ہو تو اس کی کراہت اس سے کم ہوگی اور اگر پیچھے آویزاں ہو تو اس کی کراہت اس سے بھی کم ہوگی پس اگر مصلی کے پس پشت ذی روح کی تصویر آویزاں ہو تو ان حضرات کے نزدیک جو علت کراہت علم دخول ملائکہ مانتے ہیں نماز مکروہ ہوگی اور جو حضرات تعظیم تصویر کو علت کراہت مانتے ہیں ان میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ پس پشت تصویر آویزاں ہونے میں تعظیم تصویر کی نہیں ہوتی بلکہ پس پشت ہونے کی وجہ سے فی الجملہ وہ تصویر نہاں ہو گئی اس لئے نماز مکروہ نہ ہوگی۔ اور یہ روایت اصول احناف کے موافق بھی ہے اور بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ تصویر کے آویزاں کر دینے سے فی الجملہ تعظیم تصویر کی ہوتی ہے لہٰذا فی الجملہ نماز میں کراہت بھی آئے گی

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اس مکان میں جس میں ذی روح کی تصویر آویزاں ہو نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ جس مکان میں ذی روح کی تصاویر آویزاں ہوں اس مکان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مسئلہ۔ اگر کسی شخص نے نماز عشا میں اول رکعت میں سورۃ القارعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ القدر پڑھی

Marfat.com

تو نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے سہواً ایسا کیا اور سلام پھیرنے کے بعد بھی اس کو اپنی اس غلطی کا خیال نہ ہوا تو کیا اس کے اس سہو سے نماز میں جو کراہت ہوئی ہے وہ زائل ہو جائے گی۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جبکہ شخص مذکور نے سہواً اس طور سے قرأت کی تھی تو نہ گنہ گار ہوگا نہ کراہت ہوگی

مسئلہ۔ نماز وتر میں کون سورتیں پڑھنا مسنون ہیں۔

جواب۔ جو صورت چاہے پڑھے لیکن ان صورتوں کا پڑھنا بہتر ہے جن سے اتباع سرکار رسالت ہو لہذا پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا یا پہلی میں سورۂ اخلاص، دوسری میں سورۂ فلق اور تیسری میں سورۂ ناس پڑھنا مسنون ہے۔

جدول قرأۃ سور صلوٰۃ الوتر		
رکعۃ اولی	رکعۃ ثانیہ	رکعۃ ثالثہ
اعلیٰ	کافرون	اخلاص فلق ۔ ناس
اعلیٰ	کافرون	اخلاص
تکاثر	والعصر	کافرون
قدر	نصر	تبت
زلزال	کوثر	اخلاص
کافرون	فلق	ناس
اخلاص	فلق	ناس

باب الجنائز

مسئلہ عید الفطر کو مسلمان عیدگاہ میں موجود ہیں۔ دس بجے دن کو تین جنازے بغرض ادائے نماز آئے ایسی حالت میں بیشتر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نماز عید الفطر۔ کیا نماز عید الفطر پڑھ کر خطبہ سے پہلے نماز جنازہ ادا کرنا مقدم ہے اگر نماز عید الفطر مع خطبہ ہو جانے کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی ایسی حالت میں کوئی شرعی نقص تو نہیں ہوا۔ نماز جنازہ جمعہ کو قبل خطبہ پڑھی جائے یا بعد خطبہ و نماز۔

جواب۔ نماز عید الفطر پہلے پڑھی جائے درمختار میں ہے وتقدم صلاتها على صلوٰة الجنازة اذا اجتمعا۔ نماز جنازہ پہلے پڑھی جائے اور خطبہ عید بعد کو لیکن بعض علمائے کے نزدیک سنت مقدم ہے نماز جنازہ پر اس لئے خطبہ کے بعد بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ درمختار میں ہے ——— وتقدم صلوٰة الجنازة على الخطبة اى خطبة العيد عن الحلبى الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے کیونکہ نماز جمعہ فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے تقديم الجمعة على الجنازة للعلة المذكورة ولانها فرض عين۔

مسئلہ ہم مسلمانوں کا قبرستان موضع سے ایک فرلانگ پر درمیان آراضیوں کے جن میں فصل لگی ہوتی ہے، ہے اور قبرستان کے پچھم دونوں جنوبی و شمالی کونوں پر عیدگاہ اور جامع مسجد پختہ بنی ہیں قبرستان کا مشرقی حصہ قبروں سے خالی اور مغربی حصہ قبروں سے بھرا ہوا ہے چونکہ بفضلہ تعالیٰ میرا موضع مسلّم اور بڑا ہے اکثر موتیں ہوا کرتی ہیں چنانچہ خالی فصل میں نماز جنازہ کھیتوں میں پڑھی جاتی ہے اور لگی ہوئی فصل اور بارش میں نماز جنازہ پڑھنے میں بے حد تکلیف و دقت ہوتی ہے اور دو تک کوئی جگہ سوا قبرستان کے شرقی جگہ کے زمین خالی نہیں رہتی ہے اس وجہ سے گزارش ہے کہ از روی شرع شریف ارقام فرمایا جائے کہ مذکورۂ بالا مجبوریوں سے عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ جنازہ عیدگاہ کے باہر رکھ کر نماز جنازہ پڑھ لی جائے صفیں عیدگاہ کے اندر باندھ لی جائیں۔

مسئلہ۔ کافر یا مسلمہ عورت کے بطن سے زنا کی وجہ سے جو بچہ پیدا ہوا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں۔

جواب۔ ولد الزنا کے نماز جنازہ کے متعلق جب کہ وہ زمانہ غیر بلوغ میں مر جائے مسئلہ یہ ہے کہ اگر مزنیہ عورت کافرہ ہوا اور زانی مرد مسلمان یا کافر ہو تو ان کے زنا کی وجہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب زانی مرد سے ثابت

۱؎ عید کی نماز مقدم کی جائے نماز جنازہ پر۔

۲؎ خطبہ پر یعنی عید کے خطبہ پر نماز جنازہ مقدم کی جائے جلبی سے مروی ہے کہ سنت (خطبۂ عیدین) کے بعد نماز جنازہ پڑھنے پر تو نہیں ہے۔

۳؎ اس مذکورہ سبب کی بنا پر اور اس لئے بھی کہ نماز جمعہ فرض ہے نماز جنازہ پر جمعہ مقدم ہے۔

Marfat.com

نہ ہوگا۔ اس لئے کہ زنا سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا نسب زانی سے نہیں ثابت ہوتا ہے پس یہ لڑکا کافرہ عورت کا ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے بطن سے پیدا ہوا اور کافر کا بچہ کافر ہی ہوتا ہے جب تک سن تعقل میں اسلام نہ لے آئے۔ پس یہ نابالغ لڑکا اگر سمجھ دار ہو کر مسلمان نہیں ہوا تھا تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اس کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح نہیں کی جائے گی۔

لیکن اگر یہ لڑکا سمجھ دار ہو کر اسلام لے آیا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اگر مزنیہ عورت مسلمان ہو تو اس کے بطن کا بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا خواہ مرد زانی مسلمان ہو یا کافر اور یہ لڑکا اپنی ماں کی تبعیت میں مسلمان ہوگا اور اس کے مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین و دفن مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اس لئے کہ نماز جنازہ پڑھنے کی منجملہ شرطوں سے میت کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ اگرچہ اس میت کا مسلمان ہونا احد الابوین کی تبعیت میں ہو۔

مسئلہ۔ کیا جو شخص جنازہ کو دیکھے اس پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے اور اگر اس نے اس جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تو گناہ گار ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ مسلمان کا جنازہ دیکھنے والوں اور اس میں شرکت کرنے والوں پر جنازہ کی نماز پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک پڑھ لے گا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے پس صورت مسئولہ میں جو شخص مسلمان میت کے جنازہ کو دیکھے اس پر نماز جنازہ واجب ہو جاتی ہے۔ اگر بعضوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو اس کے ذمہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

مسئلہ۔ میت کے کچھ اجزا اگر دستیاب ہوں تو ان کو غسل دینے اور ان کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

جواب۔ جب تک میت کا نصف سے زائد حصہ موجود نہ ہو اس کو غسل نہ دیا جائے اور نماز نہ پڑھی جائے بلکہ اس کو دفن ہی کر دینا چاہیے۔ اور اگر نصف حصہ سے زائد ملا ہے تو اس کو غسل دینا چاہیے اور نماز پڑھنا چاہیے اگرچہ میت کا سر غائب ہو۔

مسئلہ۔ اگر مسلمان کی میت ڈوب جائے تو برآمد ہونے پر اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں۔

جواب۔ اگر کوئی شخص ڈوب جائے اور اس کی نعش برآمد ہو تو اگر نعش جاری پانی میں سے نکالی نہیں گئی ہے تو

Marfat.com

کردہ نماز فعل مکروہ سے خالی ہے اور اگر قرأت منکوس یا فصل وغیرہ نماز کے اندر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) تنکیس عمداً فرائض میں ہو (۲) تنکیس عمداً نوافل میں ہو تو اگر تنکیس عمداً فرائض میں ہو تو تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر تنکیس عمداً یا فصل بالقصیرہ وغیرہ نوافل میں ہو تو اکثر علما کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک اگر نماز نفل میں عمداً تنکیس یا فصل بالقصیرہ وغیرہ پایا جائے تو بھی مکروہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تنکیس سہواً مکروہ نہیں ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اور تنکیس عمداً مکروہ ہے فرائض کے اندر نماز کے باہر اور نوافل کے اندر مختلف فیہ ہے۔ اکثر علما کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے انتہاء علیہ صورت مسئولہ میں جبکہ شخص مذکور نے نماز عشا میں بھولے سے قرأت منکوسہ کی تھی تو چونکہ اکثر علما کے مسلک پر نماز میں کوئی فعل مکروہ نہیں پایا گیا اس لئے نماز میں کراہت نہ ہوگی۔

(۱) اور مکروہ ہے سنتوں میں اللھم انت السلام الخ پڑھنے سے زیادہ دیر کرنا حلوائی کہتے ہیں کہ وظیفہ پڑھنے کے بقدر اگر دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حلبی کا کہنا ہے کہ اگر کراہت تنزیہیہ مراد لی ہے تو کوئی اختلاف نہیں رہتا میں کہتا ہوں کہ میری بات کے مطابق مختار وظیفہ مراد ہے اور مستحب ہے کہ تین دفعہ استغفار کرے آیۃ الکرسی پڑھے ہو تین پڑھے سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھے اور لا الہ الا اللہ ایک بار کہے اور دعا کرے اور سبحان ربک پڑھ کر (درمختار)

مسئلہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ مسجد میں ظہر، مغرب اور عشا میں فرائض سے فراغت کے بعد نمازی سنتیں پڑھنے لگتے ہیں جب سب نمازی سنتوں سے فارغ ہو جاتے ہیں تو امام دعا مانگتا ہے اور تمام نمازی اس دعا میں شریک ہوتے ہیں اور آمین کہتے ہیں اور جو نمازی سنتوں سے جلد فراغت پا جاتے ہیں وہ اس دعا کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح سے دعا مانگنا اور نمازیوں کا دعا کے انتظار میں بیٹھے رہنا جائز ہے یا ناجائز یہاں بعض لوگ اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں اور دعا میں شریک نہیں ہوتے اور اس طرح دعا مانگنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

جواب ظہر اور مغرب اور عشا کے فرائض ادا کرنے کے بعد مصلیوں کا سنن رواتب میں مشغول ہونا اور سنن وغیرہ سے فارغ ہو کر دعا کے انتظار میں بیٹھنا، اور سب مصلیوں کے نماز سے فراغت کے بعد امام کا دعا مانگنا اور حاضرین کا آمین کہنا امور غیر مشروعہ نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کی سند کتابوں میں موجود ہے۔

ان نمازوں کے بعد سنن میں مشغول ہونا اور سنن سے فراغت کے بعد اذکار و دعا مانگنا درمختار اور شامی کی اس عبارت سے جائز اور مندوب معلوم ہوتا ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام اھ قال الحلوانی لا باس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال قال الحلبی ان ارید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف قلت وفی حفظی

حملہ علی القلیلۃ ویستحب ان یستغفر ثلاثا ویقرأ آیۃ الکرسی والمعوذات ویسبح و یحمد ویکبر ثلاثاً وثلثین ویھلل تمام المائۃ ویدعو ویختم بسبحان ربک (درمختار)

اور علامہ شامی لکھتے ہیں ویکرہ اللھم لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ واما ما ورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوٰۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بھا قبل السنۃ بل یحمل علی الاتیان بھا بعدھا لان السنۃ من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملاتھا فلم تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ

(۱) اور مکروہ ہے اللھم انت السلام الخ سے زیادہ سنتوں میں دیر کرنا جیسا کہ مسلم وترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور نماز کے بعد ذکر اور وظیفہ کے بارے میں جو کچھ حدیثوں میں آیا ہے تو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ سنتوں سے پہلے پڑھا جاتا تھا بلکہ سمجھا جائیگا کہ سنتوں کے بعد ذکر اور وظیفہ پڑھا جاتا تھا، سنتیں فرض کی تابع ہیں اور فرض کی تکمیل کرنے والی ہیں تو وہ نماز فرض سمجھی جائیگی نہیں ہوں گی۔ اور سنتوں کے بعد جو کچھ کیا جائے اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فریضہ کے بعد کیا گیا۔

دعا کے لئے نمازیوں کا مسجد میں بیٹھا رہنا بھی اس حدیث مشکوۃ سے جائز معلوم ہوتا ہے وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلاۃ الغداۃ حتی تطلع الشمس احب الیّ من ان اعتق اربعۃ من ولد اسمٰعیل۔ الحدیث۔ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں وھو یعم الدعاء والتلاوۃ ومذاکرۃ العلم وذکر الصالحین۔ اور اوقات مخصوص کے ذکر کے متعلق لکھتے ہیں ولم یلزم من تخصیص الشیٔ بالذکر نفی ما عداہ کما ھو مقرر نماز پنجگانہ کے بعد دعا مانگنا قبولیت دعا کا محل ہے جیسا کہ مشکوۃ میں ہے عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوات المکتوبات رواہ الترمذی اور دبر صلوٰۃ کا اطلاق ان نمازوں میں جن کے بعد سنن بھی مسنون ہیں بعد فراغ سنن پر بھی ہوتا ہے۔ لہذا سنن سے فراغت کے بعد بھی دعا مانگنا محل قبولیت ہوگا۔

اذکار وادعیہ کے لئے مجتمع ہونا بھی کار ثواب ہے جیسا کہ مشکوۃ میں ہے عن ابی ھریرۃ و ابی سعید قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ الحدیث اور ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ ومن جملۃ الاذکار الادعیۃ والاستغفار وفیہ دلالۃ علی ان للاجتماع علی الذکر مزیۃ ومرتبۃ۔

Marfat.com

دعا کے ختم پر آمین کہنا مستحب ہے خواہ امام اور نمازی دونوں آمین کہیں یا امام دعا مانگے اور نمازی آمین کہیں جیسا کہ مشکوٰۃ میں ابی ظہیر نمیری کی روایت کردہ حدیث قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فاتینا علی رجل قد الح فی المسئلۃ رای بالغ فی السوال والدعاء من اللہ) فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوجب ان ختم فقال رجل من القوم بای شیٔ یختم قال بآمین (رواہ ابو داؤد) کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ قال الطیبی فیہ دلالۃ علی ان من دعا یستحب ان یقول آمین بعد دعائہ وان کان الامام یدعو والقوم یؤمنون فلا حاجۃ الی تامین الامام اکتفاء بتأمین المامومین۔ پس اگرچہ اس ہیئت اجتماعی کے ساتھ نماز پنجگانہ کے بعد دعا مانگنا خیر القرون میں ثابت نہیں لیکن مطلقاً ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا مانگنا خیر القرون میں ثابت ہے جیسا کہ استسقاء (طلب باراں) کی دعا مانگنا خیر القرون میں ثابت ہے۔ لہٰذا جب کہ اس ہیئت اجتماعی کے ہر ہر فرد کی سند ملتی ہے اور مجموعہ کی بھی سند ملتی ہے تو نماز پنجگانہ کے بعد اس ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا مانگنا غیر مشروع نہ ہوگا۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحیؒ تحریر فرماتے ہیں "اگرچہ از خیریت فرد فرد خیریت مجموع لازم نمی آید مگر ہر گاہ خیریت مجموع بسبب اندراجش زیر قاعدۂ شرعیہ معلوم شدہ جائے چون وچرا باقی نماند" اور اس طرح سے دعا مانگنے والوں پر ملامت نہ کی جائے گی اور جو لوگ اس طریقہ دعا میں شریک نہ ہوں اور اس کو لازم وضروری نہ جانیں ان پر بھی ملامت نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ۔ اگر مصلی کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں اور اگر جماعت کے کثیر ہونے کی وجہ سے نمازی قبرستان میں صف باندھ لیں اور ان کے سامنے قبریں پڑیں تو ان کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے اتنی دور پر قبر ہو کہ نماز پڑھنے والا اگر خاشع کی طرح نماز پڑھے تو اس کی نظر قبر پر نہ پڑے تو نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے لانکرہ الصلوۃ فی جمۃ قبر الا اذکان بین یدیہ بحیث لو صلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ۔ (شامی) اور اگر نماز پڑھنے والے کی نظر قبر پر پڑتی ہے لیکن نماز پڑھنے والے اور قبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو بھی نماز مکروہ نہیں ہوتی اور اگر کوئی چیز حائل نہ ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے از دحام اور کثرت جماعت کی وجہ سے کراہت کا مرتفع ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ علت کراہت یعنی مشابہت عبدۃ الاصنام

Marfat.com

کے ساتھ مرتفع نہیں ہوئی ۔

مسئلہ۔ اگر نماز میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے بعد امام "صلی اللہ علیہ وسلم" زور سے پڑھے اور مقتدی بھی پڑھیں تو نماز ہوگی یا نہیں ۔

جواب ۔ اگر امام مذکور نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے بعد قرأت قرآن میں "صلی اللہ علیہ وسلم" با واز بلند پڑھ لیتا ہے تو اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے لیکن یہ اضافہ خلاف اولیٰ ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے امام مذکور کو قرأت قرآن میں اس کے کلمات کو ترتیب قرآنی کے ساتھ پڑھنا افضل و اولیٰ ہے ۔ لیکن اگر مقتدی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اس کے جواب میں صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے تو انکی نماز فاسد ہو جائیگی

مسئلہ ۔ نماز میں کسی سنت کا چھوٹ جانا کیسا ہے ۔

جواب ۔ اگر نماز میں کوئی سنت غیر مؤکدہ چھوٹ جائے تو نماز مکروہ بکراہت تنزیہ ہوتی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو نماز مکروہ بکراہت تحریمیہ ہوتی ہے ۔

مسئلہ ۔ اگر نمازی کے پس پشت قبر ہو یا اس کے سامنے قبر ہو لیکن نمازی اور قبر کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار حائل ہو تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ۔

جواب ۔ اگر قبر مصلی کے پیچھے ہو یا نماز پڑھنے والے اور قبر کے درمیان سترہ قائم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے اور بلا کراہت ہو جاتی ہے ۔

مسئلہ ۔ اگر مصلی کے پس پشت تصویر آویزاں ہو تو نماز میں کراہت آتی ہے یا نہیں ۔

جواب ۔ اگر مصلی کے سامنے یا دائیں یا بائیں یا سر کے اوپر جاندار کی بڑی تصویر آویزاں ہو تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر فرش پر تصویر بنی ہو تو اس پر نماز پڑھنا اس وقت مکروہ نہ ہوگا کہ سجدہ مصلی کا تصویر پر نہ ہو اور اگر ذی روح کی تصویر نماز پڑھنے والے کے پس پشت آویزاں ہو تو نماز کے مکروہ ہونے میں علما کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک نماز مکروہ ہوتی ہے اگرچہ اس کی کراہت کم ہے اس کراہت سے کہ ذی روح کی تصویر مصلی کے سامنے یا بالائے سر یا داہنے اور بائیں آویزاں ہو اور بعض علما اس کے قائل ہیں کہ ذی روح کی تصویر اگر مصلی کی پشت پر آویزاں ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے اگرچہ اس طرح تصویر کا آویزاں کرنا فی نفسہ مکروہ ہے ۔

Marfat.com

س کو بقصد غسل حرکت دلانا ضروری ہے۔ اور اگر جاری پانی میں نہیں ہے یا نعش نکال لی گئی ہے تو اس کو غسل
ینا ضروری ہے۔

سئلہ۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع ونهانا عن سبع امرنا
اتباع الجنازة الحدیث۔ اس میں اتباع جنازہ کے کیا معنے ہیں۔

جواب۔ جنازہ کی اتباع جو مامور بہ ہے صرف نماز پڑھنے یا دفن میں شرکت سے حاصل ہو جاتی ہے۔

سئلہ۔ جنازہ کے ساتھ چلنے کا کیا طریقہ ہے۔

جواب۔ جنازہ کے پیچھے چلنا احناف کے نزدیک افضل ہے اور جنازہ سے متصل آگے آگے چلنا بھی جائز ہے
ور امام شافعی کے نزدیک جنازہ سے متصل آگے آگے چلنا افضل ہے۔

سئلہ۔ زیارت قبور کس دن کرنا چاہیے۔

جواب۔ چونکہ بزرگوں کی ارواح کا تعلق ان کے قبور کے ساتھ عموماً شب جمعہ اور یوم جمعہ اور شب شنبہ
کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان ایام میں بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہونا باعث برکت ہے

سئلہ۔ میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا کیسا ہے۔

جواب۔ ضرورت کے وقت میت کو لکڑی یا پتھر یا لوہے کے تابوت میں رکھ کر دفن کرنا درست ہی خواہ
میت مرد کی ہو خواہ عورت کی بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کی میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا بہتر
ہے خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو اس لئے کہ عورت کو اس طرح قبر میں رکھنے سے عورت میت کی پردہ داری
ہو جاتی ہے جو مطلوب شریعت ہے۔

مسئلہ۔ ایک قبر میں کئی مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ دو تین آدمیوں کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔ اور مردوں کے درمیان مٹی ڈال دی جائے
تاکہ وہ پردہ کے قائم مقام ہو جائے اور ان مردوں میں جو افضل ہو وہ پہلے رکھا جائے۔

مسئلہ میت کو ایصال ثواب قرآن یا عبادات بدنی دالی کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔ نیز فاتحہ
مروجہ میں جو کھانے پر فاتحہ دلایا جاتا ہے اور بطور دعوت لوگوں کو کھلایا جاتا ہے اس کا ثواب بھی میت

کو بخشا جا سکتا ہے یا نہیں

جواب ۔ قرآن اور احادیث مشہورہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان میت کیلئے دعائے مغفرت کرنے کا ثواب مسلم اموات کو پہونچتا ہے اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طور سے ایصال ثواب فرماتے تھے لیکن دوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرأۃ قرآن کا ثواب بھی مسلم اموات کو پہونچتا ہے اور صدقات کا ثواب بھی مسلمان مردوں کو پہونچتا ہے خواہ صدقات جاریہ ہوں جیسے کسی ایسے مقام پر کنواں بنوا دینا جہاں پانی کی ضرورت ہو اور اس کا ثواب مسلمان میت کی روح کو بخش دینا، خواہ صدقات غیر جاریہ ہوں جیسے کسی مسلمان کی ضیافت کرنا بلکہ صوم، حج اور بردہ آزاد کرنے کا ثواب بھی مسلمان میت کو پہونچتا ہے ۔ پس مسلمان میت کے لئے ایصال ثواب دعائے مغفرت، قرأت قرآن، روزے، حج، بردہ آزاد کرنے اور صدقات سے کیا جا سکتا ہے لہٰذا ہر اس چیز سے جس پر صاحب شریعت نے صدقہ کا اطلاق فرمایا ہے ایصال ثواب کرنا جائز ہے ۔ اور حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقۃ اور علامہ عینی معروف کی تشریح کرتے ہیں المعروف اسم جامع لکل ما عرف من تعالی اللہ والتقرب الیہ والاحسان الی الناس وکل ما ندب الیہ الشرع ونہی عنہ من المحسنات والمقبحات یعنی معروف ایسا جامع لفظ ہے جو شامل ہے تمام ان چیزوں کو جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اور ان کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور ان سے بندوں پر احسان ہوتا ہے اور ان چیزوں کو بھی شامل ہے جن کی اچھائی کی وجہ سے شریعت نے ان کو مستحب قرار دیا ہے اور ان چیزوں کو بھی شامل ہے جن سے شریعت نے ان کی برائی کی وجہ سے ان کو روک دیا ہے ۔ اور ہدایہ میں ہے والصدقۃ کالھبۃ لا تصح الا بالقبض ولا رجوع فی الصدقۃ لان المقصود ھو الثواب وقد حصل وکذا اذا تصدق علی غنی استحسانا لانہ قد یقصد بالصدقۃ علی الغنی الثواب یعنی صدقہ بھی ہبہ کی طرح بدون قبضہ کے صحیح نہیں ہوتا لیکن صدقہ میں قبضہ دلانے کے بعد رجوع کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صدقہ کا مقصد حصول ثواب ہوتا ہے جو قبضہ دلانے سے حاصل ہو جاتا ہے اور اسی طرح غنی کو صدقہ کرنا بھی استحساناً صحیح ہے اس لئے کہ بعض وقت غنی کو صدقہ دینے سے بھی حصول ثواب کا قصد کیا جاتا ہے ۔

عبارات مذکورۂ بالا سے معلوم ہوا کہ ہر کار خیر جس سے ثواب حاصل ہو صدقہ میں داخل ہے اور اپنے صدقات

Marfat.com

اور کار خیر کے ثواب کو میت کی روح پر بخشنا بھی جائز ہے اس لئے کھانا کھلانے کے ثواب کو میت تک پہونچانا بھی جائز ہوگا۔ خواہ اس مقدار طعام کو معین اور مقرر کرنے کیلئے فاتحہ کے وقت سامنے رکھ لیا جائے یا نہ رکھا جائے۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں عام دستور ہے کہ کفنانے کے بعد میت کا چہرہ دکھایا جاتا ہے۔ شرعاً یہ فعل جائز ہے انہیں۔

لہ بیان موت کے بعد جب میت کو کفن پہنا دیا جائے تو میت کو دیکھنا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے جو مقام سنح میں تھا گھوڑے سے اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور کسی سے کوئی تخاطب نہیں کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوئے اور سیدھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے حضور انور کا جسد اطہر یمنی چادر سے ڈھکا دیا گیا تھا حضرت ابوبکر نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر پھر جھکے اور بوسہ دیا پھر رونے لگے۔ (حدیث)

جواب۔ بخاری شریف میں ہے باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی اکفانہ حدثنا بشر بن محمد قال اخبرنا عبد اللہ قال اخبرنی معمر و یونس عن الزہری قال اخبرنی ابو سلمۃ عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتہ قالت اقبل ابوبکر علی فرسہ من مسکنہ بالسنح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشۃ رضی اللہ عنہا فتیمم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو مسجی ببرد حبرۃ یمانی تصدق فکشف عن وجھہ ثم اکب علیہ فقبلہ ثم بکی الحدیث اس حدیث کے تحت علامہ عینی نے ان اعتراضات کا رکہ امام بخاری کی باب کی سرخی یوں قائم کی کہ کفنانے کے بعد میت کے چہرہ کا کھولنا اور دیکھنا اور اس کے متعلق جو حدیث ذکر کی ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر رخ پر نور کی زیارت وفات کے بعد غسل کے پہلے کی تھی لہذا یہ حدیث عنوان باب کے مطابق نہیں) جواب اس طرح دیا ہے کہ میت کی زیارت کرنے کا حکم اس پر چادر ڈال دینے اور کفنانے کے بعد یکساں ہے اس لئے کہ جو حضرات میت کے دیکھنے کی ممانعت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ غسل دینے والوں اور ان کے معاونین کے علاوہ دوسروں کو میت کی نعش پر کپڑا ڈال دینے کے بعد نظر نہ ڈالنا چاہیے کیونکہ موت کی وجہ سے عام طور پر میت کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے اسی وجہ سے موت کے بعد اس پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے کہ دوسروں کو موت کے بعد کی حالت نہ معلوم ہونے پائے اور حالت خراب ہونے کی صورت میں میت کا تذکرہ برائی سے نہ کرنے لگیں یہی بات کفنانے کے بعد بھی پائی جاتی ہے اس لئے کفنانے کے بعد بھی دوسروں کو چہرہ نہ دکھانا چاہیے پس حدیث مذکور میں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے تجہیز و کپڑا ڈال دینے اور جسد اطہر کو چادر سے چھپا دینے کے بعد رخ انور کی زیارت کی تو کفنانے کے بعد بھی زیارت جائز ہوگی اور اس حدیث سے جو مسائل علامہ عینی نے مستنبط کئے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ میت کی پیشانی کا بوسہ دینا جائز ہے۔ اور حضرت ابوبکر نے بوسہ دینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی تھی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے چہرے کو

Marfat.com

بوسہ دیا جب آپ ان کی موت کی خبر سن کر امّ العلاء کے مکان میں تشریف لائے جہاں حضرت عثمان بن مظعون رہتے تھے۔ پس ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کا چہرہ کفنانے کے بعد کھولنا جائز ہے۔

مسئلہ۔ امام بعد نماز جماعت شمال کی طرف رخ کرکے دعا مانگے یا جنوب کی طرف اس کے متعلق دلیل شرعی کیا ہے اور رخ تبدیل کرنے میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ یا دونوں طرف گھومنے کا اختیار امام کو ہے کیا امام قبلہ کی طرف پشت کرکے اور مقتدیوں کی طرف منہ کرکے دعا مانگ سکتا ہے اگر سب طرف گھوم کر دعا مانگ سکتا ہے تو کون رخ زیادہ مستحب ہے

جواب۔ صورت مسئولہ میں امام کا نماز سے فراغت کرنے کے بعد اپنے داہنے ہاتھ کی طرف مڑنا یا بائیں ہاتھ کی طرف مڑنا یا مڑکر نمازیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھنا جائز ہے اور اس میں مصلحت یہ بھی ہے کہ بعد میں آنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ امام کی نماز تمام ہو چکی ہے۔ امام کا اپنے داہنے ہاتھ کی طرف سے پھرنا زائد بہتر ہے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف پھرنے سے، پس جب امام اپنے داہنے ہاتھ سے پھر گیا تو قبلہ اس کے بائیں ہاتھ کی طرف ہوگا اور اس کا رخ شمال کی طرف ہوگا اگر وہ اسی رخ پر چاہے دعا مانگ دعا کے لئے قبلہ دعا دونوں ہاتھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا ہے، دعا مانگنے والے کا رخ کسی طرف بھی ہو اس لئے اس طرح دعا مانگنے اور دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلانے سے دعا اپنے آداب سے ادا ہو جاتی ہے اور امام کو یہ بھی جائز ہے کہ تمامی نماز کے بعد قبلہ رخ ہو کر دعا مانگے۔ ہمارے اکابر کا دستور تھا کہ ظہر و مغرب و عشاء (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ پڑھی جاتی ہے) کے بعد قبلہ رخ بیٹھ کر دعا مانگتے اور بعد دعا کھڑے ہوتے اور اکثر و بیشتر اپنے داہنے ہاتھ کی طرف سے مڑکر مسجد سے باہر جاتے اور شاذ و نادر بائیں ہاتھ کی طرف سے بھی مڑ جاتے تاکہ اس کا وہم نہ ہونے پائے کہ امام کا داہنے ہاتھ کی طرف سے مڑنا درست ہے اور بائیں طرف سے مڑنا درست نہیں اور عصر و فجر کی نماز میں بعد سلام داہنے ہاتھ کی طرف سے مڑتے اور اپنا منہ مقتدیوں کی طرف کرتے اور پشت قبلہ کی طرف کرتے اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے اس طریقہ سے تمامی احادیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے

مسئلہ۔ ایک شخص نماز فجر ادا پڑھتا ہے وظیفہ پڑھتا ہے پھر سو جاتا ہے اور دن چڑھے تک سوتا رہتا ہے

Marfat.com

کیا نماز فجر ادا پڑھ کر دوبارہ سو جانا شرع میں ممنوع قرار دیا گیا ہے؟ کیا بعد نماز فجر ادا کرنے کے سو جانا آنحضرت سرور کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یا کسی اور بزرگ کی سنت ہے؟ کیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی دوسرے برگزیدہ بزرگ نے بعد نماز فجر سونا ممنوع قرار دیا ہے

جواب طلوع صبح صادق کے بعد سونے والے کی روزی کا کم ہونا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ شرعۃ الاسلام کی شرح میں لکھا ہے۔ اپنی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت سونا انتہائی برا ہے اور اس سے بے حد کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ پس اس بنا پر کتابوں میں نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک سونے کو مکروہ لکھا ہے۔ نماز فجر کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام فرمانا ثابت نہیں ہے اور بیدار رہنا ثابت ہے۔ البتہ سنت فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے لیٹ کر تسبیح کرتے رہنا احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ بعض مقام پر دیکھا گیا ہے کہ مؤذن تکبیر کہتا ہے اور امام مع مقتدی سب کے سب بیٹھے رہتے ہیں جب مؤذن حی علی الفلاح کے قریب پہونچتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں مگر اکثر مقام پر اس کے خلاف دیکھا گیا ہے کہ شروع تکبیر ہی سے امام و مقتدی سب کھڑے ہو جاتے ہیں ان دونوں طریقوں میں کس طریق پر عمل کرنا درست ہے۔

جواب بخاری شریف کے باب متی یقوم الناس اذا رأوا الامام عند الاقامۃ کی حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ اقامت کے وقت لوگوں کے قیام کے لئے کوئی حد مسموع نہیں ہے میرے خیال میں قیام لوگوں کی توانائی اور کمزوری کے لحاظ سے کیا جائے۔ اور علامہ عینی اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک اور جمہور محدثین کے نزدیک اقامت کے وقت قیام کی کوئی حد نہیں ہے عامہ محدثین کے نزدیک جب مؤذن اقامت کہنے لگے تو قیام مستحب ہے اور حضرت سعید بن مسیب اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے نزدیک جب مؤذن اللہ اکبر کہے تو قیام واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض علماء کے نزدیک اقامت شروع کرنے پر قیام مستحب ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بیٹھ کر اقامت کو سننا متفق علیہ ہے صحیح نہیں ہے

Marfat.com

اور عالمگیری کے اس قول اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اقامت کے وقت آئے تو اسکو امام کا انتظار کھڑے ہو کر کرنا مکروہ ہے اسکو چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو جائے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً قبل حی علی الفلاح قیام مکروہ ہے بلکہ قیام انتظار کیلئے مکروہ ہے۔ اور عالمگیری کی دوسری عبارت ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح کا یہ مطلب ہے کہ اگر مسجد میں امام موجود ہو اور کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے تو جماعت والوں اور امام کو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس سے کبھی یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پہلے مطلقاً قیام مکروہ ہے اور درمختار کی عبارت والقیام للامام وموتم حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر امام محراب کے قریب بیٹھا ہوا اور موجود ہو تو حی علی الفلاح کے وقت امام اور جماعت والوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے اس سے بھی حی علی الفلاح کے قبل قیام کی کراہت نہیں معلوم ہوتی ہے چنانچہ علامہ طحطاوی درمختار کی عبارت والقیام للامام وموتم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام اور قوم کا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مؤذن کے حکم کی بجا آوری کی بنا پر ہے اس لئے کہ وہ امین ہے اور وہ نماز اور للاحیت کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے بلانے پر کھڑا ہو جانا چاہیے تاکہ امتثال امر ہو جائے اور حین قیل حی علی الفلاح کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد قیام خلاف اولیٰ ہے اور اس کے پہلے قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی عبارت یہ ہے مسارعۃ لامتثال امرہ والظاہر انہ احتراز عن التاخیر لا التقدیم حتی لو قام اول الاقامۃ لا باس پس صورت مسئولہ میں اگر امام اور جماعت کے لوگ مسجد میں بیٹھے ہوں اور تکبیر کہی جائے تو مؤذن کے حی علی الفلاح کہتے وقت امام اور جماعت والوں کا قیام کرنا مستحب ہے اور اگر امام اپنے مصلے پر آکر نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس کے بعد تکبیر کہی جائے تو جماعت والوں کو امام کے قیام علی المصلی کو دیکھ کر قیام کرنا چاہیے جیسا کہ بخاری کی اس حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اقامت کے وقت نہ کھڑی ہو مگر جب وہ مجھ کو دیکھ لیں کہ میں کھڑا گیا ہوں جیسا کہ علامہ عینی اس حدیث کے معنی میں لکھتے ہیں۔ ان معنی الحدیث ان الجماعۃ لا یقومون عند الاقامۃ الا حین یرون ان الامام قام انتہی کلامہ۔

Marfat.com

مسئلہ ۔ زید یہ حدیث پیش کرتا ہے ۔ اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے ۔
حدیث صحیح بخاری باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا یہ صحیح ہے ۔

۲ ۔ زید کہتا ہے کہ یہ مسئلہ عالم گیری کا ہے کہ پنجگانہ صلوۃ الفرض کے لئے جس وقت کچھ مقتدی بیٹھے ہوں اور کچھ آرہے ہوں اور بکرا قامت کے لئے کھڑا ہو تو امام کو چاہیے کہ وہ مصلے پر بیٹھ جائے اور آنے والے مقتدی بھی بیٹھ جائیں جب بکر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر پہونچے تو سب کو اٹھ کھڑا ہونا چاہیے آیا یہ صحیح ہے ۔

۳ ۔ اگر نمازی پاک و صاف لنگوٹ باندھے ہوئے ہے اوپر سے پائجامہ یا تہبند باندھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ۔

جواب ۔ (۱) بخاری کے باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ حدیث مروی ہے جسکو آپ نے لکھا ہے لیکن محدثین نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا کہ نماز کے بعد بآواز بلند ذکر کرنے کا طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اس امر کو خود ظاہر کرتا ہے کہ اس طریق پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت نہیں کی اور نہ آپ کے بعد خلفا نے اس طریقہ کو جاری رکھا چند دن بعد نماز ذکر زور سے کیا جاتا تھا امت کو ذکر کی تعلیم کے لئے جب تعلیم کی ضرورت نہیں رہی اور صحابہ کو علم حاصل ہو گیا تو یہ طریقہ موقوف کر دیا گیا ۔ اس حدیث سے بعد نماز آواز بلند ذکر کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے ۔ پس اگر ذاکر دکھاوے کے لئے ذکر جہری نہ کرتا ہو یا دوسرے نمازیوں کی نماز میں ذکر جہری سے خلل نہ واقع ہوتا ہو تو بہ آواز بلند ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

(۲) عالم گیری کی عبارت کا منشا یہ ہے کہ امام یا جماعت والوں کو نماز کے انتظار میں کھڑا نہ رہنا چاہیے بلکہ بیٹھ کر نماز کے شروع ہونے کے وقت کا انتظار کرنا چاہیے اسی مسئلہ کے تحت عالم گیری نے یہ جزئیہ لکھا کہ امام اور جماعت والوں کو نماز شروع ہونے کا انتظار بیٹھ کر کرنا چاہیے اور بیٹھے رہنا چاہیے یہاں تک کہ نماز شروع ہونے کے وقت مؤذن تکبیر شروع کر دے اور جب حی علی الصلوٰۃ پر پہونچے تو امام اور جماعت

Marfat.com

والے کھڑے ہو جائیں پس اگر امام اور جماعت والے مسجد میں بیٹھے ہوں اور نماز کے وقت آنے پر تکبیر کہی جائے تو مؤذن (مقیم) کے حیّ علی الصلوٰۃ کہنے پر سب کو نماز کے لئے کھڑا ہونا چاہیے اور صفوف درست کرنا چاہیے لیکن اگر امام نماز پڑھانے کے لئے اپنے مصلّے پر کھڑا ہو گیا تو سب لوگوں کو کھڑا ہو جانا چاہیے خواہ تکبیر شروع ہوئی ہو یا نہ شروع ہوئی ہو اور اگر امام صفوف کے پیچھے سے نماز پڑھانے کے لئے مصلّے پر جائے تو جس صف سے امام گزرے اس صف کے لوگوں کو قیام کرنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا ارشاد اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی اسی کو مشعر ہے۔

۳۔ لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا درست ہے۔ بشرطیکہ پاک لنگوٹ پاک پائجامہ یا تہ بند کے نیچے باندھا ہو۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں جو حافظ تراویح سناتے ہیں وہ سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ زور سے پڑھتے ہیں، ان کا یہ فعل مکروہ ہے یا نہیں۔

جواب۔ سورِ قرآن کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکتوب ہے اس کے جزو قرآن ہونے میں ائمہ مذہب کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور بعض حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک سوائے اس بسم اللہ کے جو سورۂ نمل میں اس آیت انہ من سلیمٰن و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جزو ہے کوئی بسم اللہ قرآن میں داخل نہیں۔ اور امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی ایک آیت تام یا جزو آیت ہے یعنی بسم اللہ قرآن میں داخل ہے اور ہر سورت کا جزو ہے اور امام شافعی سے یہ بھی منقول ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورتوں کو تبرکاً بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں سوائے سورۂ برائت کے اور محققین احناف اور امام احمد حنبل کا مسلک یہ ہے کہ سورۂ براءۃ کے علاوہ تمام سورتوں کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک بسم اللہ کا لکھا ہوا چلا آنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ بسم اللہ قرآن میں داخل ہے علاوہ بریں اس امر پر بھی اجماع امت ہے کہ قلم وحی سے جو چیز مکتوب بین الدفتین ہے وہ قرآن میں داخل ہے اور سورۂ توبہ کے علاوہ تمام سورتوں کے پہلے بسم اللہ قلم وحی سے مکتوب تھی لہٰذا یہ بسم اللہ بھی قرآن میں داخل ہو گی۔ یہ امر آخر ہے کہ یہ بسم اللہ کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے یعنی

Marfat.com

میں ہے النوع الخامس فی کونہا من القرآن ام لا وفی انہا من الفاتحۃ ام لا ومن اول کل سورۃ ام لا والصحیح مذہب اصحابنا انہا من القرآن لان الامۃ اجمعت علیٰ ان ماکان مکتوبا بین الدفتین بقلم الوحی فہو من القرآن والتسمیۃ کذالک وکذالک یحرم قرأتہا علی الجنب والحائض والنفساء علی قصد القرآن اما علی قیاس روایۃ الکرخی فظاہر لان ما دون الایۃ یحرم علیہم و اما علیٰ روایۃ الطحاوی لاحتمال انہا آیۃ تامۃ فیحرم علیہم احتیاطاً وہذا القول قول المحققین من اصحاب ابی حنیفۃ وہو قول ابن المبارک وداؤد واتباعہ وہو المنصوص عن احمد وقالت طائفۃ لیست من القرآن الا فی سورۃ النمل وہو قول مالک وبعض الحنفیۃ وبعض الحنابلۃ وقالت طائفۃ انہا آیۃ من کل سورۃ او بعض آیۃ کما ہو المشہور عن الشافعی ومن وافقہ وقد نقل عن الشافعی انہا لیست من اوائل السور غیر الفاتحۃ وانما یستفتح بہا فی السور تبرکا بہا۔ (جواب کی ابتدائی سطریں تقریباً اسی عربی عبارت کا ترجمہ ہیں)

نماز کے اندر سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا امام صاحب اور امام ابویوسف کے نزدیک مسنون نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمد کے نزدیک نماز جہری میں مسنون نہیں اور سری نماز میں مسنون ہے۔ بحر الرائق میں ہے فلا تسن التسمیۃ بین الفاتحۃ والسورۃ مطلقا عندہما وقال محمد تسن اذا خافت ای تسن فی السریۃ لا ان جہر وصحح فی البدائع قولہما والخلاف فی الاستحباب اما عدم الکراہۃ فمتفق علیہ۔

پس صورت مسئولہ میں اگر کوئی حافظ قرآن نماز تراویح میں سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ زور سے پڑھتا ہے تو یہ فعل مکروہ نہیں اگرچہ مفتی بہ قول پر اس طرح بسم اللہ کا پڑھنا سنت سے ثابت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن کثیر مکی کی قرأت کے راوی اول ابوالحسن احمد البزی نے سورۂ والضحیٰ سے آخر سورۂ ناس کے پڑھتے وقت تسمیہ کے ساتھ تکبیر کہنے کی بھی روایت اپنے اساتذہ سے کی ہے اور ان کی روایت کو بعد کے قراء نے اختیار کیا ہے اور بعد کے قراء نے جب نماز کے باہر تلاوت قرآن کرتے ہیں تو والضحیٰ سے سورۂ ناس تک کی تلاوت کرتے وقت ہر سورۃ کے پہلے تکبیر اور تسمیہ کر کے سورت شروع کرتے ہیں اور ان میں سے بعض قراء نے اس طریقہ کو نماز تراویح میں بھی اختیار کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تکبیر بالاجماع قرآن متلو سے خارج ہے اور اس کا نماز میں کہنا سنت سے ثابت نہیں اس لئے

لہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مطلقاً غیر مسنون ہے اور امام محمد کے نزدیک نماز سری میں مسنون ہے نماز جہری میں نہیں مسنون ہے اور بدائع میں ہے کہ فتویٰ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قول پر ہے، اختلاف اس کے حسن مسنون ہونے نہ ہونے کے بارے میں ہے اس بات پر سب ائمہ متفق ہیں کہ بسم اللہ پڑھنا مکروہ بہرحال نہیں ہے۔

Marfat.com

اس کا ترک کرنا بہتر ہوگا۔ اگرچہ نوافل میں اس کا کھنا جائز ہے۔

کتاب الصوم

مسئلہ:۔ ریڈیو کی خبر چاند کے متعلق قابل پذیرائی ہے یا نہیں کسی صورت میں یعنی کوئی مولانا یا خاص مفتی یا اور کوئی ذمہ دار شخص وغیرہ خود ریڈیو پر خاص طور سے کھڑے ہو کر اپنا نام لے کر یا کسی ذمہ دار شخص کا حوالہ دیکر کہ یہ ان کا اعلان ہے اور ان کی آواز لوگ پہچان لیں کہ وہی مولانا یا خاص شخص ریڈیو پر بول رہے ہیں تو یہ خبر چاند کے متعلق صحیح مان کر شرعاً اعلان روزے قطع کرانے اور دوسرے دن عید کئے جانے کا دیا جاسکتا ہے یا نہیں مشرح اس کے متعلق ارقام کیا جائے۔

۲۔ پاکستان کے ریڈیو کے متعلق عوام کا خیال ہے کہ وہ مسلمان سلطنت ہے اور وہاں کی خبر غلط نہیں ہوسکتی ہے وہاں سے جو اعلان ہوگا وہ صحیح ہوگا تو کیا پاکستان کے ریڈیو کی خبر ان کر لوگوں کے روزے ساقط کرا دیئے جائیں جب کہ ان کے صرف ۲۹ روزے ہوئے ہیں اور دوسرے دن عید کا اعلان کرا دینا شرعاً جائز ہوگا۔

۳۔ پاکستان میں شنبہ سے روزے شروع ہوئے ۲۹ شعبان کا چاند دیکھ کر اور اس طرح سے ان کے ۳۰ روزے یکشنبہ تک ہو گئے انھوں نے یکشنبہ کو ریڈیو سے اعلان کیا کہ کل یعنی دوشنبہ کو عید ہوگی یہ ان کا اعلان بالکل صحیح تھا لیکن کیا یہ اعلان ہر قصبہ و شہر وغیرہ کے لئے کافی اور ضروری ہے کہ جہاں ۲۹ شعبان کے بجائے ۳۰ شعبان کا چاند دیکھ کر روزے رکھے تھے اور یکشنبہ کو ان کو کوئی عینی شہادت چاند دیکھنے کی دستیاب ہوئی ہو ۴۔ پھر مقامی حالات کے ماتحت چاند نظر آنے یا نہ آنے پر وہاں کے کسی ذمہ دار شخص کا اعلان کرانا کہ کل عید کی جائے یا نہیں جائز ہے؟ یا یہ کہ صرف پاکستان کے ریڈیو کی خبر سن کر جملہ روزہ داروں کے روزے ساقط کرا دیئے جائیں اور دوسرے دن عید کے لئے اعلان کر دیا جائے حالانکہ مقامی لحاظ سے صرف ۲۹ روزے ہوئے ہوں۔

۵۔ دوسرے مقام کا کوئی ایک یا دو شخص یہ خبر لا کر دیں کہ وہاں کل عید ہوگی اور چاند دیکھ لیا گیا تو

Marfat.com

کیا یہ خبر معتبر سمجھی جا سکتی ہے جبکہ ان خبر دینے والوں نے خود چاند نہ دیکھا ہو۔

۶۔ شہادت عینی جیسا کہ شرعاً جائز ہے اس کے علاوہ آج کل کے دور کے مطابق ریڈیو کی خبر یا کوئی اور ذرائع کی معتبر خبر سے روزے قطع کرائے جانے اور دوسرے دن عید کرنے کا اعلان کرایا جا سکتا ہے یا نہیں

۷۔ تار یا خط یا اور کوئی تحریر کسی ذمہ دار شخص کی موصول ہونے پر روزے ساقط کرائے جا سکتے ہیں اور عید کا اعلان دوسرے دن کے لئے کیا جا سکتا ہے حالانکہ وہاں کے لوگوں کے صرف ۲۹ روزے ہوئے ہوں؟

نوٹ۔ آج کل ریڈیو کا دور زیادہ تر ہے لہٰذا اس کے متعلق خاص طور سے مشرح ارقام فرمایا جائے کہ آیا کسی طور پر ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں۔

آپ کے یہاں لکھنؤ میں ریڈیو کی خبر پا کر یا کسی معتبر عینی شہادت کی بنا پر عید کئے جانے کا دوشنبہ کو اعلان ریڈیو پر ہوا تھا۔

جواب۔ ایک مقام کی رویت ہلال کا اعتبار اس کے مطلع کے اندر دوسرے مقام میں (جہاں انتیسویں کو رویت ہلال نہ ہوئی ہو) اس وقت ہوتا ہے جب اس دوسرے شہر میں اس مقام کے چاند دیکھنے کی خبر ایسے طریقوں سے پہونچے جن کی وجہ سے شرعاً روزہ یا افطار کا حکم دینا درست ہو۔ اور وہ طریقے یہ ہیں دو[1] مسلمان عاقل بالغ، عادل یا مستور الحال اس دوسرے شہر میں آکر امام یا قاضی یا مسلمانوں کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا اس کی گواہی دیں کہ ان کے سامنے اس مقام کے فلاں قاضی یا مفتی نے معتبر شہادتوں کی وجہ سے (۲۹ کے اعتبار سے) تاریخ بدل دی ہے اور روزہ یا افطار وغیرہ کا حکم دیا ہے اور رمضان کے چاند میں مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں ایک مسلمان عاقل یا بالغ و عادل یا مستور الحال کا اس دوسرے شہر میں آکر امام یا قاضی یا مسلمانوں کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کو بیان کرنا کافی ہے[2] یا اس دوسرے شہر میں اشخاص متکاثرہ آکر انتیسویں کو چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں یا بہت سے اشخاص کے خطوط یا تار وغیرہ اس دوسرے شہر میں آجائیں اور اس دوسرے شہر کے باشندوں کو ان اخبار متکاثرہ سے خبر متواتر کی طرح انتیسویں کی رویت ثابت و متحقق ہو جائے اس کو استفاضۂ خبر کہتے ہیں

پس اگر دوسرے شہر میں انتیسویں کے چاند دیکھنے کی خبر ان طریقوں میں سے کسی طریق پر نہ پہونچے تو اس دوسرے شہر والوں کو صوموا لرؤیتکم وافطروا لرؤیتکم کی حدیث کے موافق اپنی رویت کے اعتبار سے روزہ رکھنا چاہیے اور اپنی رویت کے اعتبار سے عید الفطر کرنا چاہیے اور ریڈیو سے نشر شدہ خبر ان طریق میں سے نہیں ہے جن کی بنا پر روزہ یا عید الفطر وغیرہا کا حکم کرنا درست ہو اس لئے کہ ریڈیو سے جو خبر نشر کی جاتی ہے وہ اناؤنسر anaonsar یعنی خبر نشر کرنے والے کی پس پردہ آواز محض ہے اور آواز مفید علم و یقین نہیں ہوتی اس لئے کہ النغمۃ تشتبہ النغمۃ والمشتبہ لا یفید العلم (عنایہ شرح ہدایہ صـ۲۶۲ھ) یعنی آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور مشتبہ چیز سے یقین و ظن غالب حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ آواز شہادت کے حکم میں ہے اس لئے کہ شہادت کے لئے شاہد کا مجلس حکم و مجلس قضا میں موجود ہونا شرط ہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے الشہادۃ مشتقۃ من الشہود بمعنی الحضور لان الشاہد یحضر مجلس القضاء للاداء فسمی الحاضر شاہدًا واداؤہ شہادۃ اور شہادت کی شرعی تعریف سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے وفی اصطلاح اہل الفقہ عبارۃ عن اخبار صادق فی مجلس القضاء بلفظ الشہادۃ حتی کہ کتب فقہ میں جس جگہ یہ لکھا ہے کہ جب رمضان کے چاند میں آسمان ابر آلود ہو تو امام یا قاضی کو ایک عادل مسلمان عاقل و بالغ کے چاند دیکھنے کی خبر قبول کر لینا چاہیے وہاں بھی خبر دینے والے کا اس امام یا قاضی کے سامنے موجود ہو کر خبر بیان کرنا شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ پس جب کہ یہ خبر شہادت شرعی نہیں ہے اور اشتباہ کی وجہ سے مفید ظن غالب بھی نہیں ہے تو محض ریڈیو کی نشر شدہ خبر کو سن کر کسی عالم یا قاضی کو روزہ یا افطار کا حکم دینا درست نہیں ہے۔

نیز ریڈیو سے دوسری خبروں کی طرح رویت ہلال کی جو خبر نشر کی جاتی ہے اس کا نشر کرنے والا شخص واحد ہوتا ہے جس کے متعلق یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ہے یا غیر مسلم عادل ہے یا غیر عادل اس شخص واحد کی یہ خبر ہر شہر میں ریڈیو بکس کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہو جاتی ہے ورنہ یہ خبر مخبر واحد ہی کی ہے اور کسی شہر میں چاند دیکھنے کی ایک آدھ خبر کا اعتبار دوسرے اس شہر میں جہاں رویت نہ ہوئی ہو نہیں کیا جاتا ہے جب تک اس شہر میں اخبار متکاثرہ سے چاند ہونے کی خبر پایہ ثبوت کو نہ

پہونچ جائے۔

پس جب کہ ریڈیو کی نشر شدہ خبر اس خبر کی طرح نہیں ہوتی جس کو اتنے لوگوں نے تحریراً یا تقریراً بیان کیا ہو کہ ان لوگوں کی تقریر یا تحریر کے متعلق خبر سننے والے انکی کثرت کی وجہ سے یہ گمان کرلیں کہ یہ لوگ جھوٹی خبر دینے پر متفق نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ ان اشخاص متعددہ وکثیرہ کی خبر ضرور صحیح ہوگی یعنی ریڈیو کی خبر اس خبر کی طرح نہیں ہوتی ہے جو بمنزلہ خبر متواتر کے ہو اس لئے یہ خبر روزہ یا افطار کے لئے مقبول نہیں ہوگی اور اس پر روزہ یا افطار کا حکم دینا درست نہ ہوگا نیز ریڈیو کے بعض تجربوں نے ہم کو یہ بھی بتا دیا کہ بعض حالات میں وہ صحیح طور پر خبر کو نشر بھی نہیں کرتا لہٰذا اس کی نشر شدہ خبر کا صادق ہونا یقینی نہیں رہا۔

نیز اثنائے نشر رویت ہلال کے متعلق جو خبر نشر کرتا ہے وہ دوسرے علماء کے چاند دیکھنے کی خبر بیان کر دیتا ہے تو اگر چند اشخاص قاضی کے مواجہہ میں اس کی گواہی دیں کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا ہم سے وہاں فلاں کہتے تھے یا فلاں شہر کے قاضی نے وہاں دن روزے کا حکم دیا تھا تو ایسی شہادت کا جو مرتبۂ شہادت پر بھی ہے اعتبار نہیں کیا جاتا ہے تو ریڈیو پر اس طرح نشر شدہ خبر کا رجو بمنزلہ شہادت بھی نہیں ہے، بدرجۂ اولیٰ اعتبار نہ ہوگا۔

پس صورت مسئولہ نمبر (۱) میں جب کہ یہ معلوم ہوگیا کہ ریڈیو کی نشر شدہ خبر شرعی نقطۂ نظر سے اس طریقہ پر نہیں ہوتی ہے جس کے اوپر شرعاً روزہ یا افطار کا حکم دیا جا سکے لہٰذا جن شہروں میں انتیسویں رمضان کو ابر تھا اور چاند نہیں دکھائی دیا اور وہاں انتیسویں کو چاند دیکھنے کی خبر ان طریقوں میں سے کسی طریقہ پر بھی نہیں پہونچی جن کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے تو محض ریڈیو کی نشر شدہ خبر پر جن لوگوں نے اپنے شہر کے اعتبار سے تیسویں رمضان کو روزہ توڑ دیا تھا ان کو اس روزے کی قضا کرنا چاہیے۔

صورت مسئولہ نمبر (۲) و (۳) میں جبکہ مطلق ریڈیو کی نشر شدہ خبر کا حال آپ کو معلوم ہوگیا تو پاکستان کے ریڈیو کا بھی یہی حکم ہے اس کی خبر پر بھی تیسویں رمضان کو روزہ افطار کرنے کا حکم دینا درست

نہیں اور جن لوگوں نے روزہ توڑا تھا ان کو ایک روزہ کی قضا کرنا چاہیے

۴: اگر آپ کے یہاں تیسویں رمضان کو دوسرے شہر سے انتیسویں کے چاند دیکھنے کی خبر اس طریقہ پر نہیں آئی تھی جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے لیکن آپ کے شہر کے ذمہ دار اور معتمد علیہم اشخاص کو انتیسویں کی رویت کی تصدیق کسی اور ذرائع سے ہو گئی تھی (ریڈیو کی خبر کے علاوہ) اور انھوں نے اپنی ذاتی تصدیق کی بنا پر افطار کا حکم دیا اور وہاں کے باشندوں نے ان کے حکم پر روزہ افطار کر لیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض علما کی رائے ہے کہ قاضی اپنے علم کے موافق فیصلہ کر سکتا ہے لہٰذا ان معتمد علیہم اشخاص کا اپنے علم کے موافق افطار کا حکم دینا جائز ہوگا۔

صورت مسئولہ نمبر ۵ میں جب تک دو عاقل بالغ عادل یا مستور الحال مسلمان اپنے چاند دیکھنے کی گواہی نہ دیں یا یہ گواہی نہ دیں کہ فلاں شہر کے قاضی یا مفتی نے ہمارے سامنے معتبر شہادتوں کی بنا پر فلاں دن عید کرنے کا یا روزہ افطار کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت تک آپ کے شہر کے ذمہ دار لوگوں کو ان کے اخبار کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے پس اگر ایک شخص یا دو شخصوں نے آپ کے یہاں صرف یہ بیان کیا کہ فلاں جگہ کل عید ہے اور اپنے چاند دیکھنے یا فیصلۂ قاضی کی گواہی نہیں دی تو ان کی اس خبر بیان کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

صورت مسئولہ نمبر ۶ کا جواب گزر گیا۔

صورت مسئولہ نمبر ۷۔ تار یا خط یا ٹیلیفون شہادت شرعی کے مرتبہ پر نہیں ہیں جیسا کہ اوپر کی تحریر کردہ عبارت سے معلوم ہو گیا کہ شہادت میں شاہد کا موجود ہو کر گواہی دینا شرط ہے اس لئے تار یا خط یا ٹیلیفون کو بمنزلہ شہادت سمجھنا غلطی ہے۔ پس اگر ایک آدھ تار یا خط یا ٹیلیفون سے انتیسویں کی رویت معلوم ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر کثرت سے خطوط یا تار یا ٹیلیفون مختلف لوگوں کے آپ کے شہر میں آجائیں اور ان اخبار مکاثرہ سے شہر والوں کو انتیسویں کی خبر بایۂ ثبوت کو خبر متواتر کی طرح پہونچ جائے تو ان خطوط وغیرہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اعتبار سے تیسویں رمضان کو روزہ افطار کرنے کا حکم دینا اور عید کرنا درست ہوگا۔

مسئلہ۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ یوم یک شنبہ کو خیر آباد کے مطلع پر ابر محیط تھا اس لئے چاند نظر نہ آسکا اور اطراف و نواح سے کوئی شہادت بھی نہ گزری البتہ لکھنؤ میں ثبوت رویت ہو جانے کی وجہ سے بارہ بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کر دیا گیا سیتا پور جو خیر آباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل دور ہے کے ذمہ دار حضرات نے فون کر کے رات ہی کو بذریعہ موٹر دو ثقہ آدمی روانہ کر دیئے جو علی الصباح مفتی صاحب فرنگی محل کی تحریر لے آئے جس کی بنا پر سیتا پور میں عید کا اعلان کر دیا گیا۔ خیر آباد میں جہاں کا نظام افتا و سیتا پور سے علیحدہ ہے جب صبح چھ بجے خبر ہوئی تو مفتی خیر آباد نے دو آدمی فوراً لکھنؤ روانہ کیے جو چار بجے شام کی ٹرین سے مفتی صاحب فرنگی محل کا خط لائے جس کے بعد فوراً ہی روزہ توڑنے کا اعلان کر دیا گیا۔ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔ یہاں کے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتا پور کے اعلان پر یہاں بھی عید کا اعلان کر دیا جائے لیکن یہاں مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتا پور کے مفتی کے نام تھا نا قابل عمل سمجھتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا اس لئے کہ کتب فقہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ جب تک خط عام نہ ہو مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لئے قابل عمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفوس نے نماز بھی پڑھ لی بشرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی قطعاً پرواہ نہ کی اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کتاب القاضی الی القاضی جبکہ کسی خاص قاضی کے نام ہو دوسرے کے لئے قابل عمل اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کر دیا گیا ہو جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے۔ یہ عموم صرف اسی شہر کے لئے ہے جہاں کے لئے خط لکھا گیا یا جس جگہ بھی خط مع ان گواہوں کے پہونچ جائے کافی ہے؟

(۲) سیتا پور کے مفتی کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے اب اگر سیتا پور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ ایک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس بشہادت شاہدین آگئی ہے جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادت رویت

Marfat.com

ہلال پر گزر گئی ہے اب دوسرے مقام کے مفتی کے لئے سیتاپور کے مفتی کی یہ تحریر جو ثبوت رویت پر ہے جس مفتی کے پاس ثبوت رویت ہوا ہے اس کی تحریر کی تصدیق سے قابل عمل ہو سکتی ہے یا نہیں۔ پھر یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا یا تیسرے کو چوتھے علی ہذا القیاس سلسلہ بہ سلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے کتب فقہ میں اس کی کوئی نظیر یا جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ اگر یہ صورت جائز ہو تو بحوالہ کتاب تحریر فرمایا جائے۔

لہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر گواہ ایسی جگہ ہو کہ اگر وہ صبح اول شہادت کے لئے جائے تو رات اپنے گھر واپس آکر سحر نہیں کر سکتا تو بذریعہ تحریر گواہی دینا درست ہے۔

(۳) فتاوی شامی میں ہے وعن ابی یوسف ان کان فی مکان لو عند الاداء الشهادة لا یستطیع ان یعیث فی اهله صح الاشهاد والکتابة اب سوال یہ ہے کہ اگر سوال نمبر ۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر سیتاپور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھ سکتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیرآباد یا کوئی دوسرے مقام پر جو سیتاپور سے اس مقدار مسافت سے کم ہے جس کا عبارت مذکورۂ بالا میں بیان ہے تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی۔ نیز اگر خود سیتاپور میں شہادت علی الرویۃ گزر جائے تو خیرآباد کا مفتی وہاں کے مفتی کی تحریر پر کس طرح عمل کرے جبکہ قول مفتی بہ پر مسافت مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لئے ضروری ہے

(۴) مفتی خیرآباد نے اعلان عید کے بارے میں لکھنؤ سے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا یہ فعل شرعاً صحیح تھا یا غلط اور بغیر اس کے محض سیتاپور کی عید کا حال معلوم کر کے اعلان عید کر دینا (جب کہ ہمارے یہاں نظام افتا جداگانہ ہے) جائز تھا یا نہیں۔

(۵) خیرآباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کیے بغیر روزہ توڑ ڈالا نماز عید ادا کی یہ گنہگار ہوئے یا نہیں۔ اور نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے۔

(۶) خیرآباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت یا دوسری ضرورت سے سیتاپور گئے ہوئے تھے وہاں کی اتباع میں انھوں نے نماز بھی ادا کی روزہ بھی توڑا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

(۷) بعض باشندگان خیرآباد خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لئے سیتاپور گئے ان کا یہ فعل کیسا ہے خیرآباد کی اتباع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا۔

(۸) پاکستان اور حیدرآباد میں انتیس کی رویت رمضان المبارک میں ہوئی تھی یعنی یہاں سے ایک روز قبل وہاں روزہ رکھا گیا تھا بعض لوگ جو وہاں موجود تھے عید کے لئے یہاں آگئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ پڑ رہا تھا اس لئے انھیں روزہ رکھنا چاہیے تھا یا ترک کر دینا چاہیے تھا۔

(۹) رویت ہلال میں تار، ٹیلیفون اور ریڈیو کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ مسلم سلطنت ہے اس لئے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہیے۔

(۱۰) اگر جب قاضی کے پاس شہادت گزری ہے مفتی خود جائے یا اپنا نائب بنا کر کسی کو بھیج دے تب بھی شاہدین کی ضرورت ہوگی یا نہیں یا قاضی خود اگر مفتی سے زبانی کہدے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کر لی تو بلا شہادت یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

(۱۱) سیتا پور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے رویت سے نہیں ہوئی ہے اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آکر عید ہونا بیان کریں یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر دیکھ آئیں اور مفتی سے آکر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دے دینے کے لئے کافی ہے یا نہیں جب کہ فقہا نے مجرد شیوع کو بے اصل ٹھہرایا ہے۔

(۱۲) عیدین میں جبکہ شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے کیونکہ وہ مستور الحال ہیں حالانکہ شہادت اہل المشرق لاہل المغرب" کو رویت میں معتبر مانا گیا ہے اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں صرف تعداد کافی ہے کیونکہ معتبر ہے۔ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر جبکہ متعدد جگہوں سے ہو یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان علما کی زیر نگرانی ہو کیونکر غیر معتبر ہے۔

(۱۳) اگر ہلال رمضان ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے عید کرنا جائز ہے یا نہیں خصوصاً جبکہ مطلع صاف ہو اور تیس کا چاند نظر نہ آئے۔

جواب (۱) درمختار کے اس قول "الا اذا علم بان قال ابی فلان قاضی بلدکذا والی کل من یصل الیہ من قضاۃ المسلمین" میں امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا مکتوب فلاں شہر کے قاضی کے قائم مقام کے لئے بھی حجت

Marfat.com

ہے اور اگر وہ مکتوب مع شاہدین کے اس خاص شہر کے قاضی کے علاوہ دوسرے قاضی مسلمین تک پہونچ جائے تو ان کیلئے بھی وہ حجت ہے اسی طرح شامی کے اس قول بخلاف ما لو عمم ابتداءً بانہ قال الی کل من یصل الیہ کتابی ھذا من قضاۃ المسلمین وحکامھم میں امام ابو یوسف کے نزدیک اگر قاضی کا یہ خط خط کے شاہدوں کے ساتھ کسی شہر کے کسی قاضی کے پاس بھی پہونچ جائے گا تو وہ قابل حجت ہوگا جیسا کہ امام ابو یوسف کے اختیار کئے ہوئے مذہب کی دلیل سے ظاہر ہے کہ لکھنے والے قاضی نے اپنے مکتوب خط میں مکتوب الیہم کے عموم کا قصد اور ارادہ کیا ہے۔ لہذا دوسرے قضاۃ اس کے قصد وارادہ کی وجہ سے اس کے مکتوب الیہ قرار پائیں گے اور ان کے لئے یہ تحریر قابل حجت ہوگی بشرطیکہ یہ تحریر تحریر کے گواہوں کے ساتھ دوسرے قاضی تک پہونچے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ پس اگر مفتی نے کسی شہر کے خاص مفتی کے نام رویت ہلال کی تحریر گواہوں کے سامنے لکھ کر بھیج دی تو وہ تحریر دوسرے شہر کے مفتی خاص کے لئے قابل قبول ہے اور اگر اس شہر کے مفتی نے اپنی تحریر میں دوسرے شہر کے مفتی مخصوص کے نام کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "اور میرا یہ خط ہر اس مفتی کے نام ہے جس کو یہ خط موصول ہو جائے" تو اس خاص صورت میں مفتی شہر کا یہ خط جس مفتی کو بھی خط کے شاہدین کے ساتھ پہونچ جائے وہ اس کو قبول کر سکتا ہے۔

نمبر ۲ و ۳۔ اگر سیتا پور کے مفتی نے دوسرے مفتی کی تحریر پر رویت یا افطار کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے فیصلہ کی تحریر دو گواہوں کے ہاتھ دوسرے مفتی کے پاس بھیج سکتا ہے خواہ وہ دوسرا مفتی اسی شہر میں رہتا ہو جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے۔

نمبر ۴۔ اگر مفتی خیر آباد کے پاس عید کے چاند کا ثبوت شرعی طریقہ پر نہیں پہونچا اور انھوں نے اس کا انتظار کیا کہ جب تک ان کے پاس چاند دیکھنے کا ثبوت شرعی طریقہ پر نہ پہونچ جائے وہ عید کا حکم نہ دیں تو ان کا یہ فعل شریعت کے موافق ہے محض اس خبر پر کہ سیتا پور میں عید کل ہے مفتی خیر آباد کا عید کا حکم دینا جائز نہیں ہے۔

نمبر ۵۔ اگر خیر آباد کے مفتی یا امام نے تیسویں رمضان کو شرعی طور پر رویت ہلال ثابت نہ ہونے کی وجہ سے باشندگان خیر آباد کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا تو جب تک خیر آباد میں

Marfat.com

طریقہ سے چاند دیکھنے کا ثبوت نہ پہونچ جاتا وہاں کے مسلمانوں کو اپنا روزہ توڑنا جائز نہیں تھا ان کو اپنے یہاں کے امام اور مفتی کے حکم کا ماننا ضروری تھا۔ اب جبکہ خیرآباد میں بھی ۲۹ کو رویت ہلال کا ثبوت شرعی طور پر پہونچ چکا اور مفتی خیرآباد نے بھی تاریخ بدل دی اور چار بجے شام کو مفتی صاحب ممدوح نے ثبوت شرعی کے بعد روزہ افطار کرنے کا حکم دیدیا تو جن لوگوں نے خیرآباد میں ان کے حکم کے قبل روزے توڑ ڈالے تھے ان کے ذمہ قضا لازم نہیں ہوگی لیکن ان کو عید کی نماز قصبہ والوں کی جماعت کثیرہ کی اتباع میں دوسرے روز پھر پڑھنا چاہیے۔

ع۶ خیرآباد کے جو لوگ سیتاپور پہونچ گئے اور انھوں نے سیتاپور کے مفتی کے حکم کے موافق روزہ افطار کر لیا یا نماز پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ع۷۔ باشندگان خیرآباد کے لئے دونوں باتیں جائز تھیں۔

ع۸۔ چونکہ حدیث میں ہے "الفطر یوم یفطر الناس والاضحی یوم یضحی الناس" لہذا ان لوگوں کو جو پاکستان یا حیدرآباد سے آئے تھے اور اختلاف مطالع کی بنا پر ان کی گواہی یہاں قبول نہیں کی گئی تھی یا انھوں نے گواہی ہی نہیں دی یا انھوں نے چاند ہی نہیں دیکھا تو ان سب صورتوں میں ان لوگوں کو خیرآباد کی عید پر اپنی عید کرنا چاہیے تھی اور ان کو روزہ بھی رکھنا چاہیے تھا۔ اگرچہ ان کے اکتیس روزے ہو جاتے

ع۹۔ ایک آدھ تار یا ٹیلیفون کا اعتبار رویت ہلال میں نہیں ہے اور ریڈیو کی مطلقاً خبر کا اعتبار نہیں خواہ وہ خبر ہندوستان سے نشر کی جائے خواہ پاکستان سے۔

ع۱۰۔ مفتی سیتاپور یا ان کے نائب کا خیرآباد جا کر وہاں کے مفتی سے چاند ہونے اور روزہ افطار کئے جانے کو بیان کرنا کافی نہیں ہے البتہ مفتی سیتاپور اپنے فیصلہ کو تحریر کے ذریعہ سے دو شاہدوں کے ساتھ خیرآباد بھیج سکتے ہیں۔

ع۱۱ سیتاپور سے عید کر کے جو لوگ خیرآباد آئیں اور وہ سیتاپور میں عید ہونے کی صرف خبر بیان کریں اور مفتی سیتاپور کے فیصلہ کی علنی شہادت نہ دیں تو ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ع۱۲ مستور الحال کی شہادت کو فقہاء نے جائز لکھا ہے پس اگر باہر سے آنے والے دو مستور الحال

Marfat.com

اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا قضاے قاضی کی شہادت دیں تو ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر وہ دوسروں کے چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا چونکہ آواز یا خط شہادت کے مرتبہ میں نہیں ہوتا اس لیے تار یا خط یا ٹیلیفون یا ریڈیو کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ ثبوت رویت ہلال کے لیے شہادت یا خبر کا بطریق شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر تار یا ٹیلیفون اور خط استفاضہ خبر کی تعریف میں داخل ہو جائیں تو چونکہ ایسی خبر بمنزلہ خبر متواتر ہے لہذا اس سے بھی رویت ثابت ہو جائے گی۔

۱۳ء۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ چونکہ عید بغیر دو شہادتوں کے ثابت متحقق نہیں ہوتی اس لئے عید نہ کی جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ چونکہ رمضانیت خبر واحد سے ثابت ہو چکی اور اس کے پورے تیس روزے ہو گئے لہذا ضمناً تیس روزوں کے بعد عید کر لی جائے گی۔ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے دیکھ لیجئے۔

مسئلہ:۔ ہلال رمضان وعید کی رویت کے متعلق ریڈیو سے نشر کی ہوئی اطلاع کی شرعی حیثیت کیا ہے آیا اس اطلاع پر رویتِ ہلال کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ رویت ہلال کی شہادت ٹیلی فون پر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ وائرلیس، ٹیلیگرام اور خطوط کی رویت ہلال کے ثبوت کے بارہ میں شرعاً کیا حیثیت ہے؟ ایک یا ایک سے زائد حسب ضرورت اہل شہادت پشاور یا جدہ وغیرہ دور دراز مقامات سے چاند دیکھ کر ہوائی جہاز سے رات ہی رات آجائیں اور رویت کی شہادت دیں تو ہندوستان کے رہنے والوں پر روزہ یا افطار واجب ہو جائے گا یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ شرعاً اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟

جواب۔ پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لینا ضروری ہیں تاکہ جوابات فقہ کی روشنی میں ذہن نشین ہو جائیں۔ (۱) ایک شہر کی رویت کا اعتبار دوسرے شہر میں یا تو شہادت سے ہوگا یا شہادۃ علی الشہادۃ سے یا استفاضہ خبر سے فیلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب كأن يتحمل اثنان الشهادة اويشهدا على حكم القاضي اويستفيض الخبر (شامی) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

Marfat.com

لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له وفی روایة قال الشهر تسع وعشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروه فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں فلا تصوموا حتی تروا الهلال ای حتی یثبت عندکم رؤیة هلال رمضان بشهادة عدلین او اکثر ویثبت بعدل واحد عند ابی حنیفة اِذا کان فی السماء غیم ولا تفطروا حتی تروه ای هلال شوال قال ابن الملک حتی تثبت رویته بشهادة عدلین لا باقل بالاتفاق۔

(۲) شہادت اس سچی خبر کو کہتے ہیں جو اثبات حق کے لیے مجلس قضا میں حاضر ہو کر بالفاظ شہادت بیان کی جائے۔ وفی عرف اهل الشرع اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء (فتح القدیر)

(۳) رویت ہلال محض خبر سے (جو بطریق شہادت نہ ہو) ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت کریب جو غلام ام فضلؓ تھے۔ اُن کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام فضلؓ نے اُن کو حضرت معاویہؓ کے پاس شام میں بھیجا تھا اور انھوں نے رمضان کا چاند شام ہی میں دیکھا تھا، جب وہ اپنا کام ختم کر کے مدینہ میں آئے تو مدینہ شریف میں انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے اپنے جمعہ کی رات میں چاند دیکھنے کی خبر بیان کی اور اس کی بھی خبر دی کہ وہاں حضرت معاویہؓ اور تمام لوگوں نے جمعہ کے دن سے روزے رکھنا شروع کر دیئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے یہاں ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا ہے تو ہم اس حساب سے تیسؔ دن کے روزے رکھیں گے جب تک کہ ہم اُنتیسؔ کو خود چاند نہ دیکھ لیں تو کریب نے عرض کیا کہ حضرت معاویہ کا شب جمعہ کو چاند دیکھنا اور جمعہ سے رُوزہ رکھنا تاریخ کی تبدیلی کے لیے کافی نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہم کو رسول اللہ نے یہی حکم دیا ہے کہ اگر انتیس کی رویت ثابت نہ ہو تو تیس دن پورے کرلو۔ صاحب فتح القدیر اس حدیث کو لکھ کر لکھتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریب کی اس خبر پہ تاریخ کیوں نہیں بدلی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے اس خبر کو بطریق شہادت نہیں

Marfat.com

ذکر کیا تھا۔ اسی طرح فقہاء نے بھی اپنی کتابوں میں بصراحت لکھا ہے کہ جب تک خبر بطریق شہادت نہ ہو اُس وقت تک رویت کی خبر مقبول نہیں۔

(۴) رمضان کا چاند دیکھنے کے ثبوت اور عیدین کے چاند کے ثبوت میں فرق ہے۔ روزہ چونکہ عبادت محضہ ہے لہذا اس کے ثبوت کے لیے وہ شرطیں نہیں ہیں جو معاملات مالی کے ثبوت کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ عیدین میں صاحب نصاب پر ایک مالی ٹیکس یعنی صدقۂ فطر اور اضحیہ بھی واجب ہو جایا کرتا ہے لہذا اس کے ثبوت کے لیے وہی بینات معتبر ہوں گے جو مالی معاملات کے ثبوت کیلئے معتبر ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ جزئیات فقہ اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ لہذا فقہاء نے جو جزئیات ثبوت رمضان کے لیے لکھے ہیں وہ ثبوت عیدین کے لیے جاری نہیں کیے جائیں گے۔ مثلاً اگر کوئی شخص رمضان کا چاند خود دیکھ لے اور اس کی گواہی نہ مانی جائے تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے اس واسطے کہ وہ عبادت محضہ ہے جس کا ثبوت تحری اور غلبۂ ظن سے ہو جایا کرتا ہے لیکن اگر قاضی خود عید یا بقرعید کا چاند دیکھ لے تو باوجودیکہ اُس کو ظن غالب ہو جاتا ہے لیکن وہ افطار و قربانی کا حکم نہیں دے سکتا ہے۔ البتہ اگر وہ تنہا رمضان کا چاند دیکھ لے تو اس کو روزہ کے حکم دینے کا اختیار حاصل ہے یعنی عبادت محضہ میں محض ظن غالب سے ثبوت عبادت کا ہو جایا کرتا ہے اور مالی معاملات میں ثبوت محض ظن غالب سے نہیں ہوتا جب تک ظن غالب بینات شرعیہ سے حاصل نہ ہو۔ بنا بر علیہ توپوں کی آواز اور قندیلوں کے جلنے وغیرہ کے جزئیات جو علماء نے رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے لکھے ہیں ان سے عیدین کے چاند کا ثبوت جائز نہیں اور ان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے کسی شہر میں رویت قنادیل اور مدافع کی آواز سے اس شہر کے ملحق دیہاتوں کو روزہ رکھنے کا جو حکم غلبۂ ظن کی وجہ سے دیا ہے اس پر عیدین کی رویت کا قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔

(۵) حدیث کے استفاضۂ خبر اور فقہاء نے جس استفاضۂ خبر کا اعتبار کیا ہے اس میں بھی فرق ہے۔ محدثین کے نزدیک خبر مستفیض خبر احاد ہی کی قسم ہے اور فقہاء کے نزدیک یہ خبر بمنزلہ خبر متواتر ہے

Marfat.com

ہوتی ہے۔ اور خبر مستفیض سے محدثین کے نزدیک علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور فقہا کے مسلک پر اُس سے غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے جسے طمانیت قلب کہتے ہیں اور غلبۂ ظن کا مرتبۂ طمانیت قلب ہی ثبوت رویت ہلال کے لیے معتبر ہے نہ کہ محض غلبۂ ظن لہٰذا تصریحات فقہا کی بنا پر استفاضۂ خبر میں اتنی کثرت مخبرین کی ہونا چاہیے کہ اُن کی خبر بمنزلہ خبر متواتر کے پہونچ جائے خبر شائع کرنے والوں کی کثرت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بناءً علیہ اگر خبر دینے والا ایک ہو اور اس کی خبر کو بیان کرنے والے کثیر ہوں۔ یا خبر دینے والے کثیر ہوں اور ان کی خبر کا بیان کرنے والا ایک ہی ہو تو ان دونوں صورتوں پر استفاضہ کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔ اور خیر القرون میں راویوں کا جھوٹ کمیاب تھا اور بعد کے اقران میں کذب رائج ہوگیا تھا اس لیے محدثین کی ایک جماعت نے استفاضۂ حدیث کے لیے رواۃ کی بہت زائد تعداد اور کثرت کا اعتبار نہیں کیا اور فقہاء نے استفاضۂ خبر میں مخبرین کی بڑی کثرت اور بڑی تعداد کا لحاظ کیا ہے۔

(۶) اگرچہ فقہاء الخط یشابہ الخط والصوت یشابہ الصوت تحریر فرماتے ہیں لیکن اگر خط سے ظن غالب کاتب کے خط کا اور صوت سے ظن غالب بولنے والے کی آواز کا ہو جائے تو ایسے خطوط کی کثرت اور ٹیلیفون سے آنے والی خبروں کی کثرت بھی استفاضہ میں داخل ہوگی۔

(۷) محققین کے نزدیک اختلاف مطالع کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور چھ سو میل کے اندر کی رویت کا اعتبار دوسرے شہروں میں کیا جائیگا، چھ سو میل یا اس سے زائد دور شہروں کی رویت کا اعتبار دوسرے شہروں میں نہ ہوگا۔

(۸) جو چیز پہلے سے ثابت اور متحقق ہو اس کے خلاف دوسرا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ بینۂ شرعی سے وہ چیز مخالف چیز ثابت نہ ہو جائے۔ بناءً علیہ اُنتیسویں کو جبکہ رویت نہیں ہوئی تو تیسویں کو ماہ رواں قطعی موجود ہے تو جب تک اس ماہ رواں کے خلاف دوسرے مہینہ کا آنا بینۂ شرعی سے ثابت نہ ہو جائے اس مہینہ کی تبدیلی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ان امور کے جان لینے کے بعد رویت ہلال کی جو خبریں خط یا تار یا ٹیلی فون سے معلوم ہوتی ہیں یا ریڈیو سے نشر ہوتی ہیں اور اُن کے متعلق یہ بھی ظن غالب ہو جاتا ہے کہ وہ محض حکومت کی سیاست کے

Marfat.com

ماتحت نہیں ہیں تو ان کے اعتبار کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں شہادۃ یا شہادۃ علی الشہادۃ اور استفاضہ کے حکم میں نہیں ہیں۔ البتہ جب یہ چیزیں حد استفاضہ پر پہونچ جائیں تو ان کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

ریڈیو سے جو خبریں رویت ہلال کی نشر کی جاتی ہیں اُن کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ خبریں جو ہمارے مطلع سے باہر کی ہیں (۲) وہ خبریں جو ہمارے مطلع کے اندر کی ہیں۔ ان میں سے پہلی صورت کی خبروں کا اعتبار ہی نہیں کیا جائے گا۔ دوسری صورت کی چند صورتیں نکلتی ہیں۔ (۱) متعدد اسٹیشنوں سے ہمارے ہم مطلع شہروں میں رویت ہلال ہو جانے کا اعلان کیا جائے۔ (۲) متعدد اسٹیشنوں سے ہمارے مطلع کے اندر کسی ایک مقام کی رویت کا اعلان کیا جائے۔ (۳) کسی ایک ہی اسٹیشن سے مقامی رویت کا اعلان کیا جائے (۴) کسی ایک ہی اسٹیشن سے غیر مقامی رویت کا اعلان کیا جائے (۵) کسی ایک ہی اسٹیشن سے مقامی اور غیر مقامی رویت کا اعلان کیا جائے۔ ان صورتوں میں سے دوسری صورت تو محدثین کے مسلک کے مطابق استفاضہ میں آتی ہے جس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور فقہاء کے مسلک پر استفاضہ میں نہیں آتی ہے۔ البتہ اگر دوسرے قرائن سے ظن غالب حاصل ہو جائے تو ظن غالب حاصل ہو جانے کے بعد یہ صورت خاص ثبوت رویت کے لیے کافی ہوگی بشرطیکہ ان متعدد اسٹیشنوں کے مخبرین کبھی مختلف ہوں جو عام طور سے نہیں ہوتا، اور اس صورت خاص سے نشر شدہ خبروں سے تاریخ بدلی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ۔ کیا ٹیلی فون کے اخبار سے رویت ہلال کا حکم دیا جا سکتا ہے۔

جواب۔ اگر اُنتیس کو چاند دیکھنے کی خبر ایک شہر سے دوسرے شہر میں اتنے ٹیلی فونوں کے ذریعہ آئے کہ اس شہر والوں کو رویت ہلال کا یقین ہو جائے تو اُن ٹیلی فونوں کا اعتبار کر لینا اور اس کے موافق باشندگان شہر کو عمل کرنا جائز ہے۔

اخی المعظم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبد الحئی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "واقعی در باب رویت ہلال شہرت اخبار معتبر است اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بشب گزشتہ

Marfat.com

(۱) اخبار رویت ہلال شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شدہ تا وقتیکہ شہرت آں نشود واز تحریرات کثیرہ واخبار عدیدہ معلوم نشود اعتبار آں نباید ساخت انتہی" ایک شہر میں چاند دیکھ لینے کی خبر اگر بطریق موجب دوسرے شہر میں پہونچ جائے تو دوسرے شہر میں اس شہر کی رویت کا اعتبار ہوگا یا نہیں اس میں فقہا کا اختلاف ہے محققین کا مسلک یہ ہے کہ اگر دونوں شہروں میں اختلاف مطالع نہیں ہے اور ایک شہر سے خبر بطریق موجب خواہ شہادت شرعیہ کے ساتھ خواہ استفاضہ وشہرت خبر کے ساتھ دوسرے شہر میں اس طرح پہونچ جائے کہ اس شہر والوں کو رویت ہلال کا یقین حاصل ہو جائے تو اس شہر کی رویت کا حکم اس شہر میں بھی دیا جائے گا اور اگر اختلاف مطالع ہوگا تو ایک شہر کا حکم دوسرے شہر میں نہیں دیا جائے گا۔

سوال۔ کیا بذریعہ ریڈیو، تار برقی، ٹیلیفون اور وائرلس عید الفطر کے چاند دیکھنے کی خبر آئے تو اس خبر پر روزہ افطار کرا دینا اور عید کرنا جائز ہے یا نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ریڈیو پر بولنے والا مسلم یا غیر مسلم ہے۔ پس اگر عید کرنا جائز ہے تو کیوں۔ عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں پھر فقہا نے کیوں ناجائز قرار دیا جبکہ تمام خبریں دنیوی ریڈیو وغیرہ کی صحیح مانی جاتی ہیں۔

جواب۔ ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ اسی وقت معتبر ہوتی ہے جبکہ دونوں جگہوں کے مطالع متحد ہوں بشرطیکہ رویت کا ثبوت ایسے طریقہ پر ہوا ہو جس سے رویت کا اعتبار کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے اور وہ طریقے علما نے اس طرح بتائے ہیں کہ مثلاً دو گواہ چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا قاضی یا مفتی شہر نے رویت کا حکم دیا ہے یا رویت کی خبریں اس کثرت سے دوسرے شہر میں آجائیں (جہاں چاند نہیں دیکھا گیا ہے) کہ خبر دینے والوں کو جھوٹا نہ کہا جا سکے اور وہ خبر خبر متواتر کی طرح اس شہر میں پھیل گئی ہو پس صورت مسئولہ میں خطوط یا ٹیلیگرام یا ٹیلیفون یا ریڈیو کی خبر شہادت کے حکم میں تو ہے نہیں۔ البتہ ان چیزوں سے خبر کی شہرت دوسرے شہروں میں ہو جاتی ہے پس اگر متعدد اشخاص کے خطوط یا ٹیلیگرام یا ٹیلیفون دوسرے شہروں میں نہ آئیں تو ان خبروں کا اعتبار فقہا کے قواعد کو دیکھتے ہوئے نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ چیزیں استفاضۂ خبر کی تعریف میں داخل

نہیں ہیں اور اگر دوسرے شہر میں اس کثرت سے متعدد اشخاص کے خطوط یا تار یا ٹیلیفون آجائیں کہ رویت کی خبر خبر متواتر کی طرح پھیل جائے اور اس شہر کے باشندے خطوط یا تار بھیجنے والوں یا ٹیلی فون کرنے والوں کو ان کی کثرت کی وجہ سے متہم بالکذب یا جھوٹا نہ کہہ سکیں تو ان خطوط وغیرہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس دوسرے شہر میں ایسے خطوط سے رویت کا حکم درست ہوگا اس لیے کہ یہ خطوط متعددہ اور بہت سے تار اور ٹیلی فون استفاضۂ خبر میں داخل ہیں اور ریڈیو کی خبر شخص واحد کی پس پردہ ایک خبر ہوتی ہے جو کسی طرح بھی استفاضہ کی تعریف میں داخل نہیں اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور جبکہ کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے کہ اگر کسی شہر میں امام یا قاضی شوال کا چاند دیکھے تو اس کو محض اپنی رویت سے افطار کا حکم دینا اور عید کی نماز پڑھوانا درست نہیں تو ریڈیو پر خبر دینے والے شخص واحد کی خبر سے امام یا قاضی یا مفتی کو بدرجۂ اولیٰ افطار کا حکم دینا اور عید کی نماز پڑھوانا درست نہ ہوگا۔

اور بھی کتب فقہ میں تصریح کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ اگر دو شخص بطریق محاکات قاضی کے سامنے اس امر کی گواہی دیں کہ فلاں شہر میں انتیسویں کی رویت ہوئی ہے اور ان گواہوں نے خود انتیس کا چاند نہ دیکھا ہو اور نہ انھوں نے اس شہر کے قاضی یا مفتی کا حکم سنا ہو تو ان گواہوں کی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا اور قاضی کو ان گواہوں کی گواہی سے تاریخ بدلنے اور روزہ افطار کرنے کا حکم دینا درست نہ ہوگا۔ پس ریڈیو پر بولنے والے کی خبر جو علی العموم بطور محاکات اور خبر رسانی کے لیے ہوتی ہے شہادت کے مرتبہ پر ہوتی ہی نہیں، بدرجۂ اولیٰ مقبول نہ ہوگی اور اس سے انتیس کی رویت کی جو اطلاع دی جائے اس پر کسی شہر کے مفتی یا قاضی کو اپنے شہر میں روزے یا افطار کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ جواب استفتا "اختلاف المطالع" دیکھا جو میری تحقیق کے خلاف ہے۔ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ میں بھی آپ کے خلاف ہے اور جو کچھ بحر میں ہے اس کو یہاں نقل کر رہا ہوں جو حنفیہ کا مفتی بہ مذہب ہے۔ پھر آپ نے اس کے خلاف کیسے فتویٰ دیا (ولا عبرۃ باختلاف المطالع)

Marfat.com

فاذا راٰہ اھل بلدۃ اُخریٰ وجب علیھم ان یصوموا الخ وقیل نعتبر فلا یلزمھم الخ والاول ظاھر الروایۃ وھو الاحوط کذا فی فتح القدیر وھو ظاھر المذھب وعلیہ الفتویٰ الخ واما ما استدل بہ الشارح علی اعتبار المطالع الخ فلا دلیل فیہ لانہ لم یشھد علی شھادۃ غیرہ الخ

اس کے متعلق جو کچھ آپ کی تحقیق ہے اس کو ضرور لکھیئے۔

جواب تمامی علما اس امر میں متفق ہیں کہ مختلف اقالیم کے مطالع بھی مختلف ہوتے ہیں، اگر ایک اقلیم میں رات ہے تو دوسری میں دن ہوگا، اگر ایک جگہ طلوع صبح صادق ہوگی تو دوسری اقلیم میں رات موجود ہوگی۔ اگر ایک اقلیم میں آفتاب نصف النہار پر ہو تو دوسری میں طلوع آفتاب کا وقت ہوگا ایک اقلیم میں اگر شروع ظہر کا وقت ہے تو دوسری میں عصر یا مغرب کا وقت ہوگا اسی کو علامہ شامی نے اعلم ان نفس اختلاف المطالع لا نزاع فیھا الخ سے بیان کیا ہے۔ اور اس امر میں بھی علما متفق ہیں کہ قطر بلد مختلف ہونے سے مطلع شمس و قمر مختلف ہو جاتا ہے البتہ فیما بین العلما اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر کسی شہر میں اس کے قطر اور مطلع شمس و قمر کے باہر کسی دوسرے شہر کی انتیسویں شعبان کی رویت کی خبر بطریق موجب آجائے تو اس شہر والوں کو (جس کا مطلع بوجہ بُعد اُس دوسرے شہر سے مختلف ہے) ثبوت شرعی کے بعد اُس دوسرے شہر کی رویت کے حساب سے صوم کا حکم دیا جائے گا اور اس شہر کی رمضانیت اُس دوسرے شہر کی رویت کے حساب سے ثابت ہوگی یا نہیں۔

اکثر علمائے احناف اسی جانب گئے ہیں کہ اگر کسی شہر میں انتیسویں شعبان کو چاند دیکھا گیا اور اس کی خبر بطریق موجب کسی دوسرے شہر میں پہونچ جائے تو اس دوسرے شہر کے باشندوں کو انتیسویں کی رویت کے حساب سے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا خواہ وہ شہر اس دوسرے شہر کے مطلع کے اندر ہو یا مطلع کے باہر اور یہی قول ظاہر الروایۃ میں ہے اور ان کی سند وہ حدیث ہے جس کو شیخین نے بھی روایت کیا ہے اور طریق استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ رکھنے کا حکم مطلق رویت ہلال کے ثبوت پر ہے پس جس جگہ مطلق رویت ہلال کا ثبوت

ہو جائے خواہ اس شہر کے باشندے خود چاند دیکھ لیں یا مطلق رویت کی خبر بطریق موجب پہونچ جائے تو وہ مامور ہو جاتے ہیں اُس مطلق رویت کے اعتبار سے روزہ رکھنے پر خواہ رویت ہلال اُن کے مطلع کے اندر ہو یا مطلع سے باہر ہو۔

بعض علمائے احناف اس جانب گئے ہیں کہ اگر کسی شہر میں اس کے مطلع شمس و قمر کے اندر والے دوسرے شہر سے انتیسویں شعبان کو چاند دیکھنے کی خبر بطریق موجب آئے تو اس شہر میں دوسرے شہر کی رویت کے اعتبار سے صوم کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر اس شہر میں کسی ایسے شہر سے رویت ہلال کی خبر بطریق موجب آئے جو اس کے مطلع سے باہر ہو تو اس شہر میں اس دوسرے شہر کی رویت کے اعتبار سے صوم کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر سے ہوتی ہے جس کو بخاری کے تمام ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے۔ محمد بن ابی حرملہ بیان کرتے ہیں۔ اخبرنی کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثتہ الی معاویۃ بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتھا واستھل علیّ رمضان وانا بالشام فرأیت الھلال لیلۃ الجمعۃ ثم قدمت المدینۃ فی آخر الشھر فسألنی عبد اللہ ابن عباس ثم ذکر الھلال فقال متی رأیتم الھلال فقلت رأیناہ لیلۃ الجمعۃ فقال انت رأیتہ فقلت نعم ورآہ الناس وصاموا وصام معاویۃ فقال لکنا رأیناہ لیلۃ السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراہ فقلت اولا یکتفی برؤیۃ معاویۃ وصیامہ فقال لا ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسی بنا پر حضرت مولانا عبد الحیؒ تحریر فرماتے ہیں "مگر محققین حنفیہ کے نزدیک ہر وہ دو شہر جن کا مطلع علم ہیئت کے قواعد سے مختلف ہو اُن میں سے ایک شہر میں چاند دکھائی دینا دوسرے شہر والوں کے لیے معتبر نہیں ہے" اسی کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا ہے "بلکہ تمام مذاہب میں صحیح تر مذہب جو عقل و نقل دونوں کے موافق ہے یہی ہے کہ اگر دو شہروں میں مسافت اتنی ہو کہ جس سے مطلع بدل جاتا ہے جس کی مقدار ایک ماہ طے ہونے کی ہے تو ایک شہر کی رویت دوسرے شہر میں نہیں معتبر ہے

Marfat.com

اور ایسے دو شہر اگر قریب قریب ہیں جن کی درمیانی مسافت ایک مہینے سے کم میں طے ہو جاتی ہے تو ان میں سے ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ معتبر ہے بشرطیکہ رویت کا ثبوت ایسے طریقہ پر ہو جس سے رویت کا اعتبار کرنا واجب ہوتا ہے"

اور صاحب بحر ولا عبرۃ باختلاف المطالع کے تحت لکھتے ہیں وقیل یعتبر فلا یلزمھم برؤیۃ غیرھم اذا اختلف المطالع وھو الاشبہ کذا فی التبیین اور علامہ شامی الاشبہ کے تحت لکھتے ہیں قال فی البزازیۃ معناہ الاشبہ بالمنصوص روایۃً والراجح درایۃً فیکون علیہ الفتویٰ والدرایۃ بالدال المھملۃ تستعمل بمعنی الدلیل کما فی المستصفیٰ۔

ان عبارات سے واضح ہو جاتا ہے کہ صاحب بحر کے نزدیک بھی اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کا مسلک عقل و نقل اور دلیل شرعی کے موافق ہے اور بقول بزازیہ اس پر فتویٰ بھی ہے۔ یہی میری ذاتی تحقیق ہے کہ اختلاف مطالع حکم صوم و فطر میں معتبر ہے۔

مسئلہ (۱) رمضان المبارک یا عید کے لئے جہاں اسلامی حکومت نہ ہو رویت ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے یا نہیں یا صرف صوموا بقول ثقۃ وافطروا بقول ثقتین پر ہی عمل ہوگا یا ایسی جگہوں میں جیسا کہ مولانا عبدالحیؒ مساجد کے ائمہ کو قاضی اسلام کا نائب تصور کرتے ہیں رویت ہلال کے لئے شرعی شہادت ہی کی ضرورت ہے۔

(۲) ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ احادیث سے ابر ہونے یا نہ ہونے کی تعداد شہادت کے لئے مصرح نہیں وارد ہے کہ ابر یا غبار ہو تو اتنے اور نہ ہو تو اتنے گواہ کی ضرورت ہے اس لئے اگر صرف ایک ہی شخص نے چاند دیکھا لیا تو رمضان اور عید دونوں کے لئے کافی ہے اور درمختار اور ہدایہ وغیرہما میں ابر و غبار ہونے نہ ہونے کی حالت میں جو تخصیص ہے وہ احادیث کے خلاف ہے۔

رہی دار قطنی والی حدیث تو وہ ضعیف ہے لہذا قابل عمل نہیں۔

براہ کرم مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات حدیث و قرآن کی روشنی میں عطا فرما کر منت کش

Marfat.com

احسان بنائیں۔

(۱) جہاں حکومت اسلامی نہ ہو وہاں متدین عالم و ائمہ مساجد قاضی اسلام کا نائب مناب ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) ہلال رمضان و عید کے لئے ایسی جگہوں میں شرعی شہادت کی ضرورت ہے یا نہیں۔

(۳) بصورت ہلال رمضان و عید کسی ایک شخص کے کہنے سے بھی منائی جا سکتی ہے یا نہیں۔

(۴) جو شخص فقہی کتابوں کے ساتھ لگے رہنے کو بُرا یعنی غیر ضروری سمجھے از روئے شرع اُس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۵) بصورت ہلال رمضان و عید کی رویت ثابت نہ ہونے کے اقوال منجمین معتمد ہو سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہاں ایک گروہ حضرت امام حنبلؒ کے مسلک کی آڑ لے کر اصحاب تقویم و توقیت کے اقوال پر عمل درآمد کرنا دلیل لا رہے ہیں اُمید ہے کہ احادیث صحیحہ سے اس خصوص پر روشنی ڈال کر ایک اُٹھتے فتنہ کو دبا دیں گے۔

(۶) ٹیلیفون کے ذریعہ جو خبریں دور دراز شہروں سے معلوم کیجاتی ہیں آیا یہ خبریں مستفاض مانی جا سکتی ہیں یا نہیں اور چاند کی تحقیق کے بعد اگر ریڈیو میں عوام کے اعلان کے لئے رویت ہلال کی خبر نشر کر دی جائے تو از روئے شرع کوئی حرج تو نہیں ہے۔

جواب۔(۱) جس جگہ کوئی حاکم شرعی موجود نہ ہو اُس مقام میں اگر دیندار امام مسجد یا عالم شہادت شرعی لے کر روزہ یا افطار کا حکم دیدے تو اس کے حکم پر روزہ رکھنا اور افطار کرنا وہاں کے باشندوں پر لازم ہو جاتا ہے۔

اگر کسی شہر میں حکومت غیر مسلم کی ہو اور اس شہر میں کوئی قاضی اسلام موجود نہ ہو اور اس شہر کے مسلمان کسی دیندار عالم یا امام مسجد کو قاضی بنا دیں تو بعض علما کے نزدیک وہ عالم یا امام مسجد اقامت جمعہ و اعیاد کر سکتا ہے اور فصل خصومات بھی کر سکتا ہے اور شہادت شرعی گزرنے کے بعد صوم یا افطار کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

Marfat.com

(۲) ہر شہر میں دارمدار صوم وافطار کا رویت ہلال پر ہے اور اگر اُس شہر میں چاند نہ دکھائی دے اور انتیس ۲۹ کی رویت کی گواہی بھی نہ آئے تو تیس دن مہینے کے پورے کرنا ضروری ہیں۔

پس اگر کسی شہر میں انتیسویں شعبان کو چاند نہیں دکھائی دیا اور نہ رویت ہلال کی شہادت آئی تو تیسویں شعبان کو زوال کے پہلے تک انتظار کر کے افطار کرنا چاہیئے اور اگر انتیسویں رمضان کو چاند نہیں دکھائی دیا اور نہ رویت ہلال کی شہادت آئی تو تیسویں رمضان کا روزہ رکھنا چاہیئے اور تیس روزوں کے بعد عید کرنا چاہیئے۔

(۳) انتیسویں رمضان کو اگر کسی شہر میں ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نہ دکھائی دے تو اگر دو عادل گواہ اس شہر میں انتیسویں رمضان کو چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو ان کی گواہی پر اس شہر کا دیندار عالم یا امام مسجد افطار کا حکم دے سکتا ہے اور اس کے حکم کے بعد باشندگان شہر کو افطار صوم لازم ہوتا ہے۔

اور اگر انتیسویں شعبان کو کسی شہر میں چاند ابر وغیرہ کی وجہ سے نہ دکھائی دے اور ایک دیندار آدمی اس شہر میں شہادت دے کہ اُس نے اسی رات میں انتیسویں شعبان کو چاند دیکھا تھا اور اس شہر کا دیندار امام مسجد یا عالم اُس کی شہادت مان کر تیسویں شعبان کو روزہ رکھنے کا حکم دیدے تو اُس شہر کے باشندوں پر اُس امام مسجد یا عالم کے حکم پر اس دن روزہ رکھنا ضروری ہے۔

ہر شہر میں صوم وافطار کا دارومدار رویت ہلال پر ہے اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے انتیسویں کو چاند نہ دکھائی دے تو رمضان کے لئے ایک دیندار مسلمان کی گواہی اور خبر رویت ہلال کی کافی ہے اور افطار یعنی عید کے لئے دو دیندار مسلماں مردوں کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور اگر انتیسویں کو مطلع صاف ہو اور چاند نہ دکھائی دے تو اس شہر کے امام مسجد یا عالم کے پاس اتنی گواہیاں آنا چاہیے کہ اس کو ان گواہیوں سے رویت ہلال کا ظن غالب حاصل ہو جائے اسی کو علمانے جم غفیر سے تعبیر کیا ہے پس اگر اُس شہر کے امام یا عالم یا مفتی کو صرف دو گواہوں کی گواہی سے ظن غالب انتیسویں کی رویت کا حاصل ہو گیا تو اُس شہر کا امام یا عالم یا مفتی صوم یا فطر کا حکم دے سکتا ہے۔

Marfat.com

ماحصل جواب کا یہ ہے کہ اگر انتیسویں شعبان کو ابر ہو اور کسی شہر میں چاند دکھائی دیا ہو تو ائمہ ثلثہ امام ابو حنیفہ و امام شافعی و امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک دیندار کی شہادت یا خبر بطور شہادت سے اس شہر کے امام روزہ کا حکم انتیسویں کی رویت کے حساب سے دے سکتا ہے امام مالک کے نزدیک صرف ایک شخص کی شہادت کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اگر انتیسویں شعبان کو ابر نہ ہو اور شہر والوں کو چاند نہ دکھائی دے تو اس شہر میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک عادل مرد کی شہادت سے رویت کا حکم دینا اور اس کے حساب سے صوم کا حکم دینا درست ہے اور احناف اور امام مالک رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک عادل مرد کی گواہی سے صوم کا حکم دینا درست نہیں ہے، بلکہ اس وقت دو گواہوں کی گواہی سے صوم کا حکم دیا جائے گا۔

اور اگر انتیسویں رمضان کو ابر کی وجہ سے کسی شہر میں چاند نہیں دکھائی دیا تو تمام ائمہ کے نزدیک بدون دو شاہد عادل کی شہادت کے فطر کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر انتیسویں رمضان کو مطلع صاف ہو اور شہر میں چاند دکھائی نہ دے تو جب تک اتنے گواہ انتیسویں کی رویت پر گواہی نہ دیں جن کی گواہی سے رویت کا ظن غالب اس شہر کے امام یا عالم یا مفتی کو حاصل ہو جائے تو اس شہر کا مفتی یا امام یا عالم افطار کا حکم نہیں دے سکتا ہے۔

(۴) جو شخص کتب فقہ پر اعتماد نہیں کرتا ہے وہ جاہل ہے اس کو یہ نہیں معلوم ہے کہ فقہا نے ان کتب میں قرآن و حدیث ہی سے مسائل جمع کیے ہیں۔

(۵) بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہور کے آنے اور ختم ہونے کا دار و مدار رویت پر ٹھہرایا ہے اور رویت نہ ہونے اور شہادت نہ آنے پر یہ حکم دیا ہے کہ اس مہینے کو تیس دن کا کر کے پورا کر لو۔ آپؐ نے شہور کے آنے اور ختم ہونے میں کتابت و حساب منجمین پر اعتماد نہیں فرمایا ہے۔ بناءً علیہ صرف منجمین کے قول پر صوم یا افطار کا حکم نہیں دیا جا سکتا جب تک رویت ہلال نہ ہو جائے یا تیس دن پورے نہ ہو جائیں

(۹) چونکہ محققین کا مسلک یہ ہے کہ اقلیم بدل جانے سے مطلع بھی بدل جاتا ہے اس لئے کسی شہر میں انتیسویں کی رویت ہلال کی خبر اُسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اس شہر کے عرض البلد وطول البلد کے اندر چاند دیکھنے کی خبر آئی ہو اُس شہر کے مطلع کے باہر کی خبر رویت ہلال کے متعلق ہو تو اُس رویت کا اعتبار اِس شہر میں نہیں ہوگا۔ اور جو شہر اس سے کم مسافت رکھتا ہے اس کی رویت ہلال کا اعتبار کیا جائے گا۔

پس اگر کسی شہر میں اس کے افق کے اندر والے شہروں میں سے کسی شہر سے انتیسویں کو چاند دیکھنے کے ٹیلیفون یا تار یا خطوط اس کثرت سے آئیں کہ اس شہر کے باشندوں کو خبر متواتر کی طرح اُن ٹیلیفون تار یا خطوط سے اُنتیسویں کو رویت ہلال کی خبر مصدق ہو جائے تو اس وقت استفاضہ خبر کی وجہ سے اس شہر میں صوم یا فطر کا حکم دیا جا سکتا ہے اور اگر اتنے ٹیلیفون وغیرہ نہ آئیں کہ اُن سے باشندگان شہر کو انتیسویں کی رویت کا یقین خبر متواتر کی طرح حاصل ہو تو اس پر استفاضہ خبر کی تعریف نہیں صادق آئے گی اور دو ایک ٹیلیفون یا تار وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ریڈیو سے جو خبر شائع ہوتی ہے وہ نہ تو شہادت کے حکم میں ہے اور نہ اس پر استفاضہ خبر کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے اُس کی خبر پر صوم وفطر کا حکم دینا درست نہیں ہے البتہ اپنے شہر کے باشندوں کی اطلاع کے لئے اس شہر کا عالم یا مفتی رویت ہلال کی خبر نشر کرائے تو کوئی حرج شرعی نہیں ہے۔ عید الاضحیٰ اور دیگر شہور کی رویت کا حکم عید الفطر کی رویت ہلال کی طرح ہے۔

ایک خط اور اس کا جواب

باسمہٖ سبحانہ

از بندہ ناچیز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہٗ

مخدومی ومحترمی حضرت مفتی صاحب! دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ اس عریضہ کے ذریعہ جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس سے پہلے پوری بے تکلفی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ایک طویل عرصہ سے درس وافتا کے کام سے

بے تعلق ہونے کی وجہ سے خاص کر فقہی مسائل میں میں اپنے علم کو بالکل قابل اعتماد نہیں سمجھتا، اس لئے بسا اوقات خود اپنی ضرورت کے مسائل بھی دوسرے اہل علم سے دریافت کرتا ہوں اور ان کے بتانے پر عمل کرتا ہوں ـــــ یہ جو عرض کیا ہے بالکل واقعی حقیقت ہے اس کو انکسار پر بھی نہ محمول فرمایا جائے۔

اسی اظہار و اعتراف کے بعد میں چند گذارشیں جناب کے اس بیان سے متعلق جناب ہی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، جو رویت ہلال سے متعلق چند دن ہوئے "قومی آواز" میں شائع ہوا تھا۔ اگر لائق اعتنا ہوں تو ان پر غور فرمالیا جائے۔

(۱) جناب نے مطلع پر غبار کا ذکر بھی فرمایا ہے اگر اس کی بنیاد خود جناب کا مشاہدہ ہے تو کچھ عرض کرنا نہیں اور اگر کسی دوسرے کی اطلاع کی بنیاد پر یہ تحریر فرمادیا گیا ہے تو عرض کرتا ہے کہ جتنے بھی ایسے حضرات اس عاجز سے ملے جنھوں نے اس چاند دیکھنے کی کوشش کی تھی ان سب کا بیان یہی تھا اور یہی ہے کہ مطلع اس دن بالکل صاف تھا۔ تاہم اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس دن مطلع پر ایسا غبار تھا جو رویت ہلال سے مانع ہو سکتا تھا تو پھر مسئلہ یہیں پر ختم ہو جاتا ہے اور اس صورت میں صرف ایک شاہد کی شہادت بھی ثبوت رمضان کے لئے کافی ہے۔

لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مطلع پر ایسا غبار نہیں تھا اور باصطلاح فقہا مطلع صاف تھا تو پھر تو اس عاجز کا خیال ہے کہ فتویٰ اسی پر ہونا چاہیئے جو عام متون میں ہے اور جو ظاہر الروایۃ ہے۔

آپ حضرات سے زیادہ کون اس کو جان سکتا ہے کہ مسئلہ کی اصل و اساس یہ ہے کہ رمضان کا حکم لگانے کے لئے کم از کم ایسا ثبوت ہو جو علم شرعی یعنی غلبہ ظن پیدا کر دے، پھر ابر و غبار کی شکل میں یہ غلبہ ظن ایک دو کی شہادت سے بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن مطلع صاف ہونے کی صورت میں جب چاند دیکھنے کی کوشش کرنے والے ہزاروں ہوں اور ان کو چاند نظر نہ آئے، اور صرف دو تین آدمی کہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا تو غلبہ ظن حاصل نہ ہوگا" ـــــ ظاہر الروایۃ میں جمع کثیر یا جمع عظیم کی جو شرط لگائی گئی ہے اس کی بنیاد کتب فقہ و فتویٰ میں یہی بیان کی گئی ہے اور یہ بنیاد نہایت معقول اور مضبوط ہے۔

(۲) جناب نے حضرت امام اعظم کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے (کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی صرف دو شاہدوں کی شہادت پر رمضان کا ثبوت ہو سکتا ہے) یہ روایت جیسا کہ جناب والا کے علم میں ہے حسن بن زیاد کی ہے اور ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلہ میں بغیر کسی خاص علت یا مجبوری کے ہمارے آپ کے لئے اس پر فتویٰ دینے کی گنجائش اس عاجز کی سمجھ میں تو از روئے اصول افتا آتی نہیں۔

صاحب بحر نے اپنے زمانے کے خاص حالات میں ان ہی حالات کے تقاضے سے اس کو قابل عمل کہا ہے اور علامہ شامیؒ نے ان ہی حالات کی بنا پر اس روایت پر فتویٰ دیا ہے، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی وقت اور کسی علاقہ کے حالات ایسے ہوں جیسے کہ علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن عابدین نے اپنے زمانے کے لکھے ہیں تو ان حالات میں اصحاب فتویٰ کو اس روایت پر فتویٰ دینے کی بھی گنجائش ہے۔

ان دونوں حضرات کی عبارتوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ ہمارے زمانے میں لوگ چاند دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں تو اگر دو بھلے آدمی بھی چاند دیکھنا بیان کریں اور شہادت دیں تو حسن والی روایت کی بنا پر اس کو قبول کر لینا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں ان کا تفرد خلاف قیاس نہیں ہے۔ (لہٰذا اس صورت میں یہ فتویٰ ظاہر الروایت کے مقصد سے متصادم بھی نہ ہوگا)

علامہ ابن نجیم کے ان الفاظ پر غور فرمایا جائے "وینبغی العمل علیہا فی زماننا لان الناس تکاسلت عن تراءی الاھلۃ فانتفی تولھم" مع توجہم طالبین لما توجہ مقوالیہ" فکان التفرد غیر ظاہر فی الغلط اور علامہ شامی کے ان الفاظ پر غور فرمایا جائے "انت خبیر بان کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان ولو اشترط فی زماننا الجمع العظیم لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلاث لما ھو مشاھد من تکاسل الناس۔ الی ان قال۔ وحینئذ فلیس فی شہادۃ الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی یظہر غلطہ الشاھد فانتفت علۃ ظاہر الروایۃ فتعین الافتاء بالروایۃ الاخریٰ"

الغرض جیسا کہ جناب ملاحظہ فرما رہے ہیں صاحب بحر اور علامہ شامی دونوں کی عبارات میں

Marfat.com

اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ حسن ابن زیاد کی اس روایت کو (جس کو بقول صاحب بحر مشائخ حنفیہ میں سے کسی نے بھی ترجیح نہیں دی ہے۔ (ولم ار من رجحها من المشائخ) اپنے زمانے میں صرف اس لئے قابل عمل اور قابل فتوی قرار دے رہے ہیں کہ ان کے زمانے میں لوگ چاند دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

اس لئے یہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں رہی تھی کہ شہر میں صرف ایک دو آدمی چاند دیکھیں اور شہادت دیں۔ بہر حال ان دونوں بزرگوں نے اسی خاص صورت حال میں (ظاہر الروایت کے مقصد نے متصادم نہ ہونے کی وجہ سے) اس روایت کو قابل عمل اور قابل فتوی قرار دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہندوستان کی یہ حالت نہیں ہے۔ جناب والا پر یہ بات ہرگز مخفی نہ ہوگی کہ اس شہر لکھنؤ میں الشر کے ہزاروں بندوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی اور ہمیشہ کرتے ہیں شہر کی کئی مسجدوں میں سے کونسی وہ مسجد ہوگی جس کے نمازی چھت پر چڑھ کر خاص کر رمضان اور عید کے چاند دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پس ایسی حالت میں اگر پورے شہر میں صرف دو آدمی چاند دیکھنا بیان کریں تو اس عاجز کی سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب بحر اور علامہ شامی کی ان عبارات کی بنا پر یہاں کیسے ان کی شہادت پر رمضان کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں تو ظاہر الروایت والی وہ بنیاد جیتی جاگتی موجود ہے جس کی وجہ سے ایک دو آدمیوں کی شہادت مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے اور وہ غلبہ ظن کو مفید نہیں ہو سکتی ـــــ اس لئے یہاں تو فتوی ظاہر الروایت پر ہی ہونا چاہیئے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں جم کثیر و جم عظیم کی شہادت کے بغیر ثبوت ہلال کا حکم نہ لگایا جائے۔

۱۱ ہم ہندوستان والوں کو یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہو لیکن اگر ان بلاد کی یہ خصوصیت سامنے ہو کہ وہاں پہلی رات کا چاند دیکھنا کتنا مشکل کام تھا اور پہاڑیوں پر چڑھے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا تھا تو تعجب نہ ہوگا۔ خود مکہ معظمہ کا بھی یہی حال ہو جس کی وجہ سے عام اہل شہر کو ایک دو راتیں گزرنے کے بعد ہی چاند نظر آتا ہے ۱۲

بالفاظ دیگر میں عرض کرتا ہوں کہ صاحب بحر اور علامہ شامی نے بھی حسن ابن زیاد کی اس روایت کو ظاہر الروایت کے مقابلہ میں قابل ترجیح اور قابل فتوی نہیں سمجھا ہے بلکہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اصل مذہب ظاہر الروایت ہی کو سمجھ رہے ہیں لیکن اپنے زمانے کی ایک خاص حالت کا تقاضا ان کے نزدیک یہ ہے کہ حسن ابن زیاد والی روایت پر فتوی دے دیا جائے، چنانچہ اس بنا پر انھوں نے اپنے زمانہ کے ان حالات میں اس کو قابل عمل اور قابل فتوی قرار دیا ہے ـــــ اس سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حضرات ظاہر الروایت کے مقابلہ میں مطلقاً حسن ابن زیاد کی اس روایت کو ترجیح دیتے

Marfat.com

ہیں اور اب دوسروں کے لئے گنجائش ہے کہ وہ دوسرے حالات میں بھی ظاہر الروایت کو چھوڑ کر اس روایت پر فتوی دیں۔

(۳) نفس مسئلہ عام کتب فقہ میں جس طرح لکھا ہوا ہے وہ بھی اگرچہ بالکل واضح ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مبسوط کی عبارت اس بارہ میں کچھ زیادہ واضح ہے اور وہ فقہ حنفی کی اساسی کتابوں میں سے بھی ہے اس لئے جناب کے ملاحظہ کے لئے اس عبارت کو بھی نقل کرتا ہوں۔ فاما اذا لم یکن بالسماء علة فلا یقبل شهادة الواحد والمثنی حتی یکون امرا مشهورا ظاهرا فی هلال رمضان وهکذا فی هلال الفطر فی روایة هذا الکتاب وفی روایة الحسن عن ابی حنیفة رضی الله عنه قال تقبل شهادة رجلین اورجل و امرأتین بمنزلة حقوق العباد والاصح ماذکرهٰهنا فان فی حقوق العباد انما تقبل شهادة رجلین اذا لم یکن هناك ظاهر یکذبهما وهنا الظاهر یکذبهما فی هلال رمضان وفی هلال شوال جمیعا لانهما اسوة سائر الناس فی الموقف والمنظر وحدة البصر وموضع القمر فلا تقبل فیه الشهادة الا ان یکون امرا مشهورا ظاهرا۔ (مبسوط جلد ثالث ص۱۴۰) مبسوط کی اس عبارت کے الفاظ "فلا یقبل شهادة الواحد والمثنی" سے بھی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جن بعض مصنفین نے کتب فقہ کی بعض عبارات میں بجائے جمع عظیم کے عدد کا لفظ دیکھ کر اس کے دو پر بھی صادق آنے کا خیال ظاہر فرمایا ہے اور اس طرح حسن ابن زیاد والی روایت کو بھی ظاہر الروایت کے ساتھ ملا دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ ان سے یہ زلت ہوئی ہے۔ مبسوط کی اس تصریح کے بعد اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، لہذا صحیح طرز عمل یہ ہوگا کہ عدد سے مراد وہ عدد لیا جائے جو جمع عظیم اور جمع کثیر کے مطابق ہے اور یہ بالکل اس طرح ہے جس طرح ہمارے محاورہ میں لکھ دیتے ہیں کہ ایک دو آدمی نہیں بلکہ ایک تعداد ہونی چاہیے ــــ بہر حال ظاہر الروایت کی تعبیر میں جن کتابوں میں عدد کا لفظ مذکور ہے اس کا صحیح محمل یہی ہے۔

(۴) جناب والا نے اپنے بیان میں یہ بھی فرمایا ہے کہ موجودہ صورت میں اگر بالفرض تیس روزے رکھ کر چاند نظر نہ آئے تو چونکہ ثبوت رمضان کا حکم دو شاہدوں کی شہادت پر کیا گیا ہے اس لئے ۳۱ ویں دن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عید کی جائے گی (یعنی اس دن روزہ رکھنا حرام قرار پائے گا)

Marfat.com

اس عاجز نے جہاں تک غور کیا اور سمجھا ہے کتب فقہ کے اس جزئیہ کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ ۲۹ شعبان کو ابر یا غبار ہو اور امام و دو عادل شاہدوں کی شہادت پر ثبوت رویت کا حکم لگا دے، کتب فقہ میں مسئلہ جس سیاق میں ذکر کیا جاتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب والا اس پر دوبارہ غور فرمالیں اگرچہ قوی امید یہی ہے کہ آنے والے جمعہ کو انشاء اللہ ضرور رویت ہو جائیگی لیکن اگر بالفرض مطلع صاف ہوا اور رویت نہ ہوئی تو مجھے خطرہ ہے کہ عید کے بارے میں شہر میں بہت بھونڈے قسم کا اختلاف نہ ہو جائے، اس لئے نیاز مند کی مکرر گذارش ہے کہ اس کے بارے میں خاص طور پر غور فرمالیں۔

آخر میں گذارش ہے کہ اس عاجز کو اپنی کم علمی کا بحمد اللہ حق الیقین ہے اس لئے ان معروضات کو ایک ایسے نیاز مند طالب علم کی گزارشات ہی سمجھا جائے، جو اللہ تعالیٰ کی عنایت و توفیق سے حضرات علماء کرام و اہل فتویٰ کا ادب و احترام اپنے لئے واجب سمجھتا ہے۔

والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

محترم نبدہ دام مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ نے عزت بخشی مکتوب گرامی پڑھ کر مستفید ہوا میں اپنے کو اب تک طالب العلم ہی سمجھتا ہوں میں نے جس کوٹھے پر سے چاند دیکھا تھا ان سے مجھ کو مطلع پر غبار نظر آیا تھا اور قرب و جوار سے جو حضرات چاند دیکھ رہے تھے وہ بھی یہی بتاتے تھے کہ افق سے متصل چار پانچ گز اونچا غبار تھا بلکہ میرے کوٹھے سے متصل ایک مکان کی چھت پر دو حضرات چاند دیکھ رہے تھے ان میں سے ایک صاحب نے اسی غبار میں چاند دیکھا کبھی وہ ظاہر ہوتا تھا کبھی چھپ جاتا تھا انہوں نے اپنے دوسرے ساتھی کو چاند دکھانے کی بہت کوشش کی مگر ان کو نہیں دکھائی دیا یہ دونوں نوجوان تھے۔ اگر آپ فرمائیں تو ان دونوں حضرات کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں

Marfat.com

اس غبار کے اوپر آسمان بالکل صاف تھا عام طور سے چاند نہ دکھائی دینا اور چند اشخاص کو نظر آجانا یہ بظاہر مطلع کے صاف نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس صورت میں دو گواہیاں معتبر ہوں گی۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ظاہر الروایت پر مسئلہ وہی ہے جو سرخسی نے مبسوط میں لکھ دیا چونکہ ان کو امام صاحب کی اس روایت کی تردید بھی مقصود تھی جس کو حسن بن زیاد نے نقل کیا تھا اس لئے انہوں مثنی کی قید بھی لگادی اور ظاہر الروایت کے قول کو بہت واضح طور سے تحریر فرمایا ہے۔

صاحب بحر نے جس ضرورت کی وجہ سے ظاہر الروایت کے قول کو چھوڑ کر امام صاحب کی روایت کو اختیار کیا ہے وہ ضرورت میرے عقل ناقص میں یہاں بھی پائی جاتی ہے عام طور سے مسلمان اسلامی مہینوں کا چاند دیکھنے میں تساہل برتتے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر حضرات کو ان مہینوں کی تاریخ بھی صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتی بلکہ بعضے ایسے بھی ملتے ہیں جنکو یہی نہیں معلوم ہوتا کہ اسلامی کون مہینہ ہے۔ ایک آدھ مخصوص مہینوں کا چاند اگر متعدد اشخاص دیکھ لیں تو باقی شہور کی رویت میں ان کا تساہل متحقق ہے۔ چونکہ شعبان کا چاند ۲۹ کا ہو چکا تھا اس لئے مطلع افق سے متصل ہی ہونا چاہیے وہاں تعینی طور پر غبار تھا اس کے اوپر آسمان صاف تھا جو اشخاص پابندی سے ہر مہینے چاند نہیں دیکھتے ہیں ان کو صحیح طور پر مطلع کا ہی علم نہیں ہوتا ہے غالباً ان لوگوں نے غبار کے اوپر کے حصہ کو مطلع سمجھ کر یہ کہدیا ہوگا کہ مطلع صاف تھا۔ اگر اس ذہنیت کو لے کر چاند دیکھا جائے کہ حساب سے آج چاند نہیں ہوگا تو چاند دیکھنے والے صرصری نظر سے چاند دیکھتے ہیں غائر نظر سے چاند نہیں دیکھتے ہیں۔ ۱۳ کا دن گزر کر چاند کا پورا ہونا اور چودہ کا دن گزر کر شب ۱۵ کو چاند کا دیر کے طلوع ہونا اس کی دلیل ہے کہ ۲۹ کو جن لوگوں نے چاند دیکھا تھا ان کی رویت غلط نہیں تھی۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ میری عقل ناقص میں امام صاحب کی روایت اور ظاہر الروایت میں تعارض نہیں ہے بلکہ امام صاحب نے جم غفیر کی کم سے کم مقدار کو بیان فرمایا ہے کہ دو اشخاص بمنزلہ جماعت کے ہیں الاثنان وما فوقہما جماعۃ اور ان کی گواہی بمنزلہ شہرت کے ہے جس طرح نکاح کا دو گواہوں

Marfat.com

سامنے ہونا بطریق اعلان وشہرت کے ہوتا ہے۔ محمد عبدالقادر عفا اللہ عنہ

مسئلہ صاع انگریزی پیمانہ کے حساب سے کتنے کے برابر ہوتا ہے۔ ایک سال کی نمازوں اور ایک مہینے کے روزوں کا کتنا فدیہ دینا چاہیئے۔

جواب۔ صاع کی مقدار انگریزی حساب سے دو سیر پاؤ بھر ایک چھٹانک دو تولے چھ ماشے ہوتی ہے فلہذا نصف صاع ایک سیر آدھ پاؤ آدھی چھٹانک ایک تولہ تین ماشے ہوا۔ صدقۂ فطر گیہوں سے نصف صاع اور جو سے ایک صاع دینا واجب ہے۔ ہر نماز اور ہر روزہ کا فدیہ بمقدار صدقۂ فطر ہے لہذا ایک نماز اور ایک روزہ کا فطرہ گیہوں سے ایک سیر آدھ پاؤ آدھ چھٹانک ایک تولہ تین ماشے دینا چاہیے اور جو سے دو سیر پاؤ بھر ایک چھٹانک دو تولہ چھ ماشے دینا چاہیئے۔ اور چونکہ بعض علما کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کے برابر ہوتا ہے لہذا ہر نماز اور روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گیہوں اور ساڑھے تین سیر جو دینا چاہیئے پس اوپر والے حساب سے ایک مہینہ یعنی تیس دن کے روزوں کا فدیہ گیہوں کے اعتبار سے ۳۵ سیر دو چھٹانک دو تولے چھ ماشے ہوا اور جو کے اعتبار سے اس کا دوگنا یعنی ستتر سیر ایک پاؤ ایک چھٹانک ہوا۔ اور پونے دو سیر کے حساب سے ایک من ساڑھے بارہ سیر گیہوں ہوئے اور دو من پچیس سیر جو ہوئے میرے پیر بھائی صاحبزادہ میاں مولوی سید نور الحسن صاحب اجمیری نے جو رسالہ تجہیز وتکفین حضرت پیر مرشد مولانا قیام الدین محمد عبدالباری ملک العلما بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارک میں تحریر کیا تھا اس میں لکھا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ گیہوں کے اعتبار سے سوا سیر پختہ دینا چاہیئے اس حساب سے ایک مہینہ یعنی تیس ۳۰ یوم کا فدیہ ساڑھے سینتیس ۳۷½ سیر گیہوں ہوگا لہذا ایک مہینہ کے روزوں کا فدیہ ۳۷½ ساڑھے گیہوں دینا چاہیئے۔

نماز پنجگانہ اور وتر میں سے ہر نماز کا فدیہ سوا سیر گیہوں اور ہر روزہ کا فدیہ بھی سوا سیر گیہوں ہوتا ہے فلہذا ایک دن کی نماز پنجگانہ کا فدیہ ساڑھے سات سیر گیہوں ہوا۔ اور چونکہ قمری مہینے بعض تیس ۳۰ دن کے ہوتے ہیں اور بعض انتیس ۲۹ دن کے لہذا احتیاطاً سات مہینے تیس ۳۰ دن کے اور پانچ مہینے انتیس ۲۹ دن کے فرض کر کے سال میں تین سو پچپن ۳۵۵ دن مانے جائیں گے ان ایام کا فدیہ چھیاسٹھ ۶۶ من ساڑھے بائیس سیر

Marfat.com

گیہوں ہوگا اور یہی فدیہ سال بھر کی نمازوں کا ادا کرنا چاہیے۔

مسئلہ:۔ زید نے ۶۹ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اُس کی طرف سے اس کے اعزا اس کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ دینا چاہتے ہیں تو کتنا فدیہ دینا ہوگا۔

جواب:۔ صورت مسئولہ میں زید کی عمر تعدادی ۶۹ سال سے بارہ سال اقل مقدار سن بلوغ نکال کر ۵۷ سال کے روزے اور نمازوں کا فدیہ دینا چاہیے اور ہر سال کی نماز پنجگانہ اور وتر کا فدیہ چھیاسٹھ من ساڑھے بائیس سیر گیہوں ہوتے ہیں اور ایک مہینے کے روزوں کا فدیہ ۲۷۰ر۳ گیہوں ہوتے ہیں لہٰذا ایک سال کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ساڑھے سرسٹھ من گیہوں دینا ہوں گے اور ستاون ۵۷ سال کی نمازوں اور روزوں کے فدیہ میں تین ہزار آٹھ سو سینتالیس ۳۸۴۷ من بیس سیر گیہوں دینا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ آنجناب کا ایک دستخطی فتوی نظر سے گذرا جس میں انجکشن (Injection) کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے چونکہ سائل نے مسئلہ کی صحیح صورت آنجناب کے سامنے واضح نہیں کی اس لئے مسئلہ کے تمام گوشے آنجناب کے سامنے نہیں آسکے اور مفتی کا جواب سوال کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا اگر سوال واضح نہ ہو تو اس میں مفتی نہیں بلکہ سائل خود قصوروار ہے۔ اب آپ کے سامنے انجکشن کی پوری حیثیت واضح کی جاتی ہے امید ہے کہ اس مسئلہ میں خصوصیت سے توجہ فرما کر جواب باصواب سے مشرف فرمائیں گے۔

انجکشن کے ذریعہ جو دوا جسم میں پہونچائی جاتی ہے وہ بواسطہ عروق و شرائین پہونچتی ہے ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے پر یہی معلوم ہوا ہے۔ فقہائے کرام نے مفسد صوم وہی چیزیں قرار دی ہیں جو بلا واسطہ قعر معدہ یا جوف دماغ تک پہونچیں۔ نیز کان میں پانی ڈالنے، احلیل میں دوا ڈالنے کو فقہائے غیر مفسد کہا ہے باوجودیکہ جوف یہ بھی ہیں۔ جوف معدہ ہی اصل ہے نیز علمائے دیوبند و بعض علمائے کانپور و علمائے تھانہ بھون نے بھی اسے غیر مفسد قرار دیا ہے۔ ان کے فتاوی طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ اب مسئلہ پوری طرح آپ کے سامنے آگیا ہوگا۔ اپنی گرامی رائے تحریر فرمایئے۔ اگر آنجناب اب بھی مفسد مانتے ہیں تو کن وجوہ کی بنا پر۔

Marfat.com

جواب :۔ صاحب فتح القدیر روزہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ھو امساک عن الجماع وعن ادخال شیئ بطنا او مالہ حکم الباطن لہذا پیٹ میں کسی چیز کا داخل کرنا یا کسی چیز کا اس شے میں داخل کرنا جس کے لئے حکم باطن کا ہو روزے کے منافی ہوگا اور مفسد صوم ہوگا۔ اور صاحب بحر واذا احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ او داوی جائفۃ او آمۃ بدواء ووصل الی جوفہ او دماغہ افطر کی علت میں یہ حدیث تحریر فرماتے ہیں لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الفطر مما دخل ولیس بمما خرج یعنی چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو باطن میں داخل ہو جائے لہذا امور مذکورہ بالا یعنی احتقان وغیرہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور علی العموم کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جوف میں ایسی چیز کا پہونچنا جس سے بدن کی اصلاح ہو اور اس سے بدن کو نفع حاصل ہو فطر معنوی ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پس ان مسائل کے جان لینے سے یہ معلوم ہوا کہ بطن یا جسم کے اندرونی حصہ میں جو حکم میں باطن جسم کے ہو اگر کوئی چیز اس طرح پہونچائی جائے جس سے جسم کو نفع حاصل ہو وہ مفطر صوم ہے لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بغرض علاج جسم کے اندرونی حصہ میں پہونچائی جائے اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا جس طرح کان میں دوا ڈالنے اور حقنہ لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

نیز انجکشن کی دوا کے اجزا (اگرچہ اقل قلیل ہوں) خون میں مل کر دماغ اور جوف میں بھی پہونچ جاتے ہیں جو عند الفقہا مفسد صوم ہیں۔

انجکشن کا قیاس سر میں تیل لگانے پر کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ تیل لگانے سے کوئی چیز باطن میں داخل نہیں کیجاتی ہے اسی طرح تبرید کے لئے صائم کا پانی میں بیٹھنا کہ اس صورت میں بھی کوئی چیز باطن میں داخل نہیں ہوتی ہے اور اس کا قیاس آنکھ میں سرمہ لگانے پر بھی درست نہیں اس لئے کہ آنکھ روزہ کے اعتبار سے ظاہر جسم ہے۔

واقعی غیر مخارق ومسالک اصلیہ سے جو چیز دواءً یا غذاءً باطن جسم میں پہونچ جائے وہ مفتی بہ قول پر مفسد صوم ہوتی ہے جیسا کہ مبسوط سرخسی میں ہے واما الجائفۃ والآمۃ اذا داوا ھم

یدواء یابس لم یفطرہ وان داواھما بدواء رطب فسد صومہ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولم یفسد فی قولھما فیما یعتبران الوصول الی الباطن من مسلک ھو خلقۃ فی البدن لان المعتاد للصوم ما ینعدم بہ الامساک المامور بہ وانما یومر بالامساک لاجل الصوم من مسلک ھو خلقۃ دون الجراحۃ العارضۃ وابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یقول المفسد للصوم وصول المفطر الی باطنہ فالعبرۃ للواصل لا للمسلک وقد تحقق الوصول ھنا وفی ظاھر الروایۃ فرق بین الدواء الرطب والیابس واکثر مشائخنا رضی اللہ عنہم علی ان العبرۃ بالوصول حتی اذا علم ان الدواء الیابس وصل الی جوفہ فسد صومہ وان علم ان الرطب لم یصل الی جوفہ لا یفسد صومہ عندہ الا انہ ذکر الیابس والرطب بناء علی العادۃ فالیابس انما یستعمل فی الجراحۃ لاستمساک باسھابہ فلا یتعدی الی الباطن والرطب یصل الی الباطن عادۃ فلھذا فرق بینھما والدلیل علی ان العبرۃ لما قلنا ان الیابس یترطب برطوبۃ الجراحۃ۔

یعنی اگر غیر مخارق اور مسالک اصلیہ سے دوا باطن جسم میں داخل ہو جائے تو صاحبین کے نزدیک مفسد صوم نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مفسد صوم ہے اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک مفطر کا باطن جسم میں پہونچ جانا مفسد صوم ہے خواہ مسلک خلقی سے پہونچے جیسے حلق، کان، اور دبر وغیرہا سے یا مسلک غیر خلقی سے پہونچے جیسے جائفہ اور آمنہ کے ذریعہ سے اور صاحبین کے نزدیک مفسد صوم وہ چیز ہے جو باطن میں مسلک خلقی کے ذریعہ سے پہونچے اور اکثر مشائخ نے امام صاحب کے قول کو اختیار کیا ہے اور وصول الی باطن الجسم کو مفسد صوم قرار دیا ہے اور ظاہر الروایۃ کے جائفہ اور آمنہ کے مسئلہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب دوا باطن میں پہونچ جائے تو مفسد صوم ہے پس صورت مسئولہ میں چونکہ انجکشن کے ذریعہ سے دوا باطن جسم میں پہونچ جاتی ہے اس لئے وہ بھی مفسد صوم ہوگا۔

Marfat.com

کتاب الزکوٰۃ

مسئلہ ۱:۔ مال تجارت میں سال گذرنے پر اصل اور نفع دونوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا صرف اصل کی۔ اگر وسط سال میں اصل مال باقی نہ رہے البتہ نفع اپنے سال پر بقدر نصاب ہو تو اسکی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے اور سال کا ختم کب سے شمار کیا جائے۔

جواب:۔ اگر مال تجارت شروع سال میں بقدر نصاب ہو اور وسط سال میں اسی مال تجارت میں زیادتی ہو تو یہ زیادتی اصل مال میں ملالی جائے گی اور سال تمام ہونے پر اصل اور زیادتی دونوں کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

اگر شروع سال میں اصل مال بقدر نصاب تھا اور دوران سال میں اسی مال تجارت میں زیادتی ہوئی لیکن اصل مال کا کوئی جزو آخر سال تک نہیں رہا بلکہ وسط ہی میں اصل مال بالکل ختم ہو گیا تو سال کا اعتبار اُس وقت سے نہیں ہوگا جس وقت کہ اصل مال بقدر نصاب تھا بلکہ جس وقت کہ دوران سال میں زیادتی مال کی بقدر نصاب ہوئی تھی اس وقت سے سال شروع ہوگا۔

اور اگر شروع سال میں مال تجارت بقدر نصاب نہیں تھا اور وسط سال میں ایسی زیادتی اس مال میں حاصل ہو کہ دونوں مل کر بقدر نصاب ہو جائیں تو سال گزرنے کا اعتبار اس وقت سے کیا جائے گا جیسا کہ عالمگیری میں ہے

اگر اصل مال تجارت پر زیادتی اُس مال تجارت کے غیر جنس سے ہوئی ہے مثلاً وہ شخص اونٹوں کی تجارت کرتا تھا اور وسط سال میں اس نے اس کے نفع کا روپیہ لگا کر گائے یا بکری کی تجارت شروع کر دی تو گائے اور بکری اصل مال یعنی اونٹوں کے ساتھ نہیں ملائے جائے گی پس اگر شروع سال میں اونٹوں کی قیمت بقدر نصاب تھی اور آخر سال میں بقدر نصاب نہیں ہے لیکن اگر ان گائے اور بکریوں کی قیمت بھی آخر سال میں اونٹوں کی قیمت کے ساتھ ملالی جائے تو دونوں

Marfat.com

کی قیمت بقدر نصاب پہونچ جائے تو تمامی سال پر اونٹوں کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی لیکن اس سال سے اونٹ، اور گائے یا بکری کی قیمت کا شمار اصل مال میں ہوگا اور زکوٰۃ کے وجوب کی ابتداء اسی سال سے ہوگی اور ختم سال پر اگر اونٹوں اور گائے وغیرہ کی قیمت بقدر نصاب پہونچے گی تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو اناج پھل، اور ترکاریاں زمین سے پیدا ہوتی ہیں انکی زکوٰۃ کس طرح ادا کیجائے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ بھوسہ چارہ اور گھانس کی بھی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں۔ ہم لوگوں سے حکومت کی طرف سے زمین کا لگان لیا جاتا ہے کیا اس لگان کے بعد بھی ہم کو پیداوار کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں۔

جواب:۔ مسلمان کاشتکار کی جو زمین جاری پانی یا آسمان کے پانی سے سینچی جائے اسکی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا اس کاشتکار کے لئے ضروری ہے اور جو زمین چرسہ یا رہٹ یا ڈولوں سے سینچی جائے یا نہر کے خریدے ہوئے پانی سے سینچی جائے اس کی پیداوار کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) نکالنا کاشتکار کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اور صاحبین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ زمین کی کس پیداوار پر عشر یا نصف عشر نکالا جائے اور کس پر نہ نکالا جائے تو امام صاحب کے نزدیک زمین سے جو غلہ، ترکاریاں، سبزی اور پھل پیدا ہو اس کا عشر یا نصف عشر نکالنا پڑے گا خواہ یہ پیداوار تھوڑی ہو یا زائد اور درختوں، درخت کی شاخوں، گھانس اور بھوسہ وغیرہ کی ایسی چیزوں پر عشر اور نصف عشر کا نکالنا لازم نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک صرف اسی پیداوار پر عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا جس کے پھل سال بھر تک موجود اور قائم رہیں اور پیداوار کی مقدار پانچ وسق (یعنی سترہ ۱۷ من تیئیس ۲۳ سیر دو چھٹانک) ہو۔ اس مقدار سے کم پیداوار پر صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک ترکاریوں، پھلوں اور سبزیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ پس اگر اس کاشتکار سے زمین کا کوئی لگان حکومت انگریزی وصول کرتی ہے تو اسکی پیداوار پر عشر واجب نہیں اس لئے کہ عشر اور خراج مجتمع نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ

Marfat.com

علامہ شامی یجب العشر فی عسل وان قل ارض غیر الخراج کے تحت لکھتے ہیں اشار ان المانع من وجوبہ کون الارض خراجیۃ لانہ لا یجتمع العشر والخراج اور اسی کتاب میں اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکاۃ الاموال الظاھرۃ کا لسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابھا ان صرف فی محلہ والا فعلیھم فیما بینھم وبین اللہ اعادۃ غیر الخراج کے تحت ہے، ویظھر لی ان اھل الحرب لو غلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلک لتعلیلھم اصل المسئلۃ۔

گیہوں، چنا، باجرہ اور جوار کے بھوسہ پر عشر نہیں ہے جبکہ گیہوں اور چنا وغیرہا کا عشر نکالا جاتا ہے وانما لم یجب فی التبن لانہ غیر مقصود بزراعۃ الحب غیر انہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ سار ھو المقصود۔ (عنایۃ)

اگر یہ بھوسہ فروخت کیا جائے تو بھی اُس کا عشر نکالنا واجب نہیں۔ چارہ اور گھاس کا بھی عشر نکالنا واجب نہیں۔

اگر چارہ جانوروں کے کھلانے یا فروخت کرنے کے لئے بویا جائے تو اُس کا عشر نکالنا واجب ہے میوہ جات پر صاحبین کے نزدیک عشر واجب نہیں اور امام صاحب کے نزدیک عشر واجب ہے میوہ جات کے باغ اگر فروخت کر دیے جائیں تو صاحبین کے نزدیک موجر و مستاجر میں سے کسی پر میوہ جات کا عشر نکالنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک میوہ جات کا عشر نکالنا ہی واجب نہیں اور امام صاحب کے نزدیک چونکہ میوہ جات کا عشر نکالنا واجب ہے اس لئے اس کا عشر نکالنا واجب ہوگا اور چونکہ امام صاحب کا یہ مسلک ہے کہ موجر و مستاجر میں سے عشر موجر (مالک آراضی و مالک باغ) پر واجب ہوتا ہے اس لئے باغ کے مالک کو اجرت مقررہ کا عشر تصدق کرنا چاہیئے۔

سبزی اور ترکاری کا عشر نکالنا امام صاحب کے نزدیک واجب ہے خواہ اپنے صرف میں لائی جائے یا فروخت کی جائے اور صاحبین کے نزدیک واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ زر قرض کی زکوٰۃ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک پر کس طرح

Marfat.com

ادا کی جائے اُمید کہ آپ اسکو آسان طریقہ سے سمجھا دینگے۔ زر قرض کی زکوۃ قرض خواہ کو ادا کرنا چاہیے یا قرض دار کو اور کس طرح ادا کی جائے؟

جواب۔ اگر قرض دینے والے نے نصاب زکوٰۃ سے کم روپیہ دیا تھا تو سال تمام ہونے پر اس کی زکوٰۃ قرض خواہ پر واجب ہے نہ قرض دار پر۔ اور اگر قرض دینے والے (قرضخواہ) نے نصاب یا نصاب سے زائد روپیہ کسی کو قرض دیا تھا اور اس روپیہ کو قرضدار نے سال تمام ہونے تک واپس نہیں کیا تو اس کی زکوٰۃ بھی قرضدار کو نہیں دینا ہوگی بلکہ اس کی زکوٰۃ قرض خواہ ہی کو دینا ہوگی لیکن سال تمام ہوتے ہی قرض خواہ کو زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہوگی بلکہ جب وہ روپیہ قرضدار سے قرضخواہ کو وصول ہو جائے تو اس وقت قرض خواہ کو زکوٰۃ دینا ہوگی پس اگر سال تمام ہونے کے بعد قرضدار نے کل روپیہ ادا کر دیا تو قرض خواہ کو کل روپیہ کی زکوۃ دینا ہوگی اور اگر ایک سال گزرنے کے بعد قرضدار نے تھوڑا روپیہ قرضخواہ کو ادا کر دیا پھر تھوڑا روپیہ ادا کیا یعنی دوسرا سال ختم ہونے کے پہلے قرضدار نے باقساط روپیہ ادا کیا تو صاحبین کے نزدیک جب بھی قرضدار تھوڑا روپیہ ادا کرے اس وصول شدہ روپیہ کی زکوٰۃ بقدر اس کے حصہ کے قرضخواہ کو دینا واجب ہے خواہ وہ وصول شدہ روپیہ خمس نصاب سے کم ہو یا خمس نصاب ہو یا خمس نصاب سے زیادہ ہو مثلاً زید نے عمرو کو سو روپیہ قرض دیے اور عمرو نے ایک سال گزرنے کے بعد دوسرا سال ختم ہونے کے پہلے باقساط ادا کیا اور پہلی مرتبہ دس ۱۰ روپیہ دیے اور پھر عشرین ۲۰ پھر للغ ۴۰ پھر مئین ۳۰ تو صاحبین کے مسلک پر قرض خواہ کو جب دس روپیہ وصول ہوئے تو دس روپیہ کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور جب جب عشرین ۲۰ یا للغ ۴۰ یا مئین ۳۰ روپیے وصول ہوئے ہیں ان کا چالیسواں حصہ وصول رقم کے وقت زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور امام صاحب کے مسلک پر قرضخواہ کو جب تک خمس نصاب وصول نہ ہو جائے اسکو زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی اور خمس نصاب سے کم وصول ہو تو جب تک دوسری قسط کا روپیہ وصول ہو کر خمس نصاب کو نہ پہونچ جائے قرضخواہ کو زکوٰۃ نہیں ادا کرنا ہوگی۔ اسی طرح تمام اقساط میں جب جب بھی خمس نصاب کے

Marfat.com

بقدر روپیہ وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ہوگا اور خمس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ پس مثال مذکورۂ بالا میں امام صاحب کے مسلک کو سمجھنے کے پہلے چند باتیں تبادینا ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ فی زمانہ جو روپیہ رائج ہے وہ چاندی کا نہیں ہے اس لئے روپیہ پر زکوۃ نہیں ہے البتہ جب اتنا روپیہ ہو کہ اُس سے چاندی ایک نصاب یا اس سے زائد نصاب کی خریدی جاسکے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

دوسرے یہ کہ چاندی کا نصاب چھتیس تولے ۵½ ماشہ چاندی ہے پس جس کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ اُس سے چھتیس تولے ۵½ ماشہ چاندی خریدی جاسکے تو اس روپیہ پر زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اِس وقت ایک تولہ چاندی عـ ۱۴/۱۳ کی ہوتی ہے اور ۳۶ تولہ ۵½ ماشہ چاندی لـ ۸/۶۹ کی ہوتی ہے پس فی الحال لـ ۸/۶۹ روپیہ جس کے پاس ہوں گے وہ صاحب نصاب کہلائے گا۔

تیسرے یہ کہ لـ ۸/۶۹ کا خمس عـ ۱۴/۱۳ ۴ ۴/۵ پائی ہوتا ہے پس جب تک قرضخواہ کو ایک قسط یا ایک سے زائد قسط میں عـ ۱۴/۱۳ ۴ ۴/۵ پائی وصول نہ ہو جائیں اسکو زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی۔

چوتھے یہ کہ قرضخواہ کو جو روپیہ باقساط ملا ہے اُس کے ہر ہر خمس کے وصول ہونے پر زکوۃ دینا ہوگی۔

پانچویں یہ کہ اگر آخر میں کچھ روپیہ اخماس کے نکالنے کے بعد خمس سے کم باقی رہے گا اُس کی زکوۃ فرض خواہ سے معاف ہو جائے گی۔

پس مثال مذکور میں قرضخواہ کو پہلی قسط میں دس ہی روپیہ ملتے ہیں جو خمس نصاب سے کم ہیں تو دس روپیہ کے وصول ہونے پر قرضخواہ کو کچھ زکوۃ نہ دینا ہوگی دوسری قسط میں اُسکو بیس روپیہ ملے تو یہ قسط اور پہلی قسط ملا کر قرض خواہ کو تیس روپیہ وصول ہوئے اس میں دو خمس معہ عـ ۱۲/۱۱ ۲ ۳/۵ پائی کی زکوۃ دینا ہوگی اور عـ ۱۳/۱۲ ۲ ۲/۵ پائی کی زکوۃ اس وقت نہیں دینا ہوگی۔

تیسری قسط میں جب چالیس روپیہ وصول ہوں گے اس میں عـ ۱۳/۱۲ ۲ ۲/۵ پائی ملا لیے جائیں گے اور دیکھا جائے گا کہ لـ ۱۱/۴۱ ۲ ۲/۵ پائی میں کے خمس ہوئے معلوم ہوا کہ تین خمس لـ ۱۱/۴۱ ۲ ۲/۵ پائی ہوئے اور آٹھ آنے باقی رہے لہذا لـ ۱۱/۴۱ ۲ ۲/۵ کی زکوۃ تیسری قسط میں دینا ہوگی اور چوتھی قسط میں تیس

Marfat.com

روپیہ قرضخواہ کو وصول ہوئے اور آٹھ آنے باقی کے کل میزان ۳۰/۱۲ ہوئی جس میں دو خمس ۲۷/۱۲ ۲ ۳/۵ پائی کی زکوۃ دینا ہوگی اور ۲ ۲/۵ پائی کی زکوۃ معاف ہوجائے گی اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک نصاب زکوۃ سے جو زیادتی بقدر خمس نصاب ہو اسکی زکوۃ دینا ہوتی ہے اور اس سے کم پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور اگر قرضدار نے دو تین سال گزرنے پر کل روپیہ ادا کر دیا تو صاحبین کے نزدیک سال اول کی زکوۃ کل روپیہ پر دینا ہوگی اور سال دویم کی زکوۃ دینے میں کل روپیہ سے اتنا روپیہ وضع کر لیا جائے گا جو سال اول کی زکوۃ کا تھا مابقی روپیہ کی زکوۃ دینا ہوگی اور سال سویم میں اس مابقی روپیہ سے سال دویم کی زکوۃ کا روپیہ وضع کر کے مابقی کی زکوۃ دینا ہوگی مثلاً زید نے عمرو کو سو ۱۰۰ روپیہ قرض دیئے اور عمرو نے تین سال کے بعد سو روپیہ واپس کیا تو زید سال اول کی زکوۃ پورے سو روپیہ کی ادا کرے یعنی اس کا چالیسواں حصہ یعنی ۲ ۱/۲ زکوۃ کا دیدے اور سال دویم کی زکوۃ میں سو روپیہ سے ۲ ۱/۲ وضع کرے اور ۹۷ ۱/۲ کا چالیسواں حصہ ۲ ۱/۲ زکوۃ میں دے اور سال سویم میں ۹۵ ۱/۲ میں سے ۲ ۱/۲ وضع کرے اور ۹۳ ۱/۲ کی زکوۃ ۲ ۱/۲ پائی دیدے اور امام صاحب کے نزدیک جب قرضدار دو تین سال کے بعد کل رقم قرضہ قرضخواہ کو ادا کرے تو اس کی زکوۃ نکالنے کا یہ طریقہ ہے کہ سال اول میں کل زر قرض کے خمس نصاب بنا لئے جائیں اگر کل زر قرض خمسوں پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیدیا جائے اور اگر کل زر قرض اخماس پر پورا پورا تقسیم نہ ہو بلکہ خمس نکالنے کے بعد کچھ روپیہ باقی رہے جو خمس سے کم ہو تو جتنے اخماس نکلیں انمیں سے ہر ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیدیا جائے اور جو روپیہ خمس سے کم باقی رہے اس کی زکوۃ معاف ہو جائے گی۔ دوسرے سال کی زکوۃ نکالتے وقت کل زر قرض سے اتنی رقم وضع کر دی جائے جو زکوۃ میں دی تھی مابقی زر قرض کے اخماس نصاب بنا لیے جائیں اور مابقی زر قرض اگر خمس نصاب پر برابر تقسیم ہو جائے تو ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیدیا جائے اور اگر مابقی زر قرض خمسوں کے نکالنے کے بعد باقی بچے اور خمس سے کم ہو تو ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیا جائے اور اگر مابقی زر قرض خمسوں کے نکالنے کے بعد باقی بچے اور خمس سے کم ہو تو ہر ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیا جائے اور مابقی رقم جو خمس سے کم ہے

Marfat.com

وہ معاف ہوگی اور اسکی زکوۃ نہیں دینا ہوگی اور تیسرے سال کی زکوۃ بھی دوسرے سال کی طرح ادا کی جائے خمس میں سے ہر ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیدیا جائے اور خمس نصاب نکالنے کے بعد جو رقم نصاب سے کم ہو اسکی زکوۃ نہ دی جائے وہ معاف ہے مثلاً زید نے عمرو کو سو روپیہ قرض دیا اور عمرو نے تین سال کے بعد کل زر قرض زید کو واپس کیا تو زید قرض خواہ پہلے سال کی زکوۃ ادا کرنے کے لیے کل زر قرض یعنی سو روپیہ کو خمس نصاب عدد ۱۴ پر ۴ پائی سے تقسیم کرے تو سات خمس لغ ۲۸ پائی ہوئے اور عدد ۱۱ پر ۲ باقی رہے لہذا سال اول کی زکوۃ سات خمسوں لغ ۲۸ پائی کا چالیسواں حصہ عدد ۴ پر ۱ پائی دیدے اور عدد ۱۱ پر ۲ پائی چونکہ خمس نصاب سے کم ہے اس لئے اس کی زکوۃ نہیں دینا ہوگی اور سال دوئم کی زکوۃ میں کل زر قرض سے جو روپیہ زکوۃ میں دیا تھا یعنی عدد ۴ پر ۱ پائی وضع کرلئے جائیں گے تو لغ ۹ پر ۳ باقی رہیں گے اس مابقی زر قرض کو خمس نصاب سے تقسیم کیا تو چھ اخماس ۴ پائی نکلے اور لغ ۱۴ پر ۳ پائی باقی رہے جو خمس نصاب سے کم ہیں لہذا چھ خمسوں کو زکوۃ عدد ۴ پر ۳ پائی دینا ہوگی اور جو رقم خمس نصاب سے کم باقی رہے وہ معاف ہوگی اور سال سوئم کی زکوۃ سال دوئم کی طرح ادا کردی جائے چونکہ امام صاحب کے مسلک پر کل زر قرض کے اخماس بنانا اور انکی زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ نکالنا زحمت سے خالی نہیں ہے اس لئے قرض خواہ کو اپنا زر قرض وصول ہونے پر صاحبین کے قول پر زکوۃ دیدینا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ ایک شخص اپنا روپیہ مختلف مدات خرچ کے لئے علیحدہ علیحدہ اپنے صندوقچہ کے خانوں میں جمع کرتا ہے اس میں ایک مد زکوۃ بھی ہے سال گزرنے پر مدات خرچ میں جو روپیہ جمع کیا تھا اس میں سے تھوڑا روپیہ اس کے صندوقچہ کے خانوں میں رہ جاتا ہے کیا اس روپیہ پر بھی زکوۃ دینا ہوگی یا نہیں جبکہ اس نے اس روپیہ کو خرچ کے لئے نکال کر علیحدہ کر دیا تھا۔

جواب:۔ اگر کسی شخص نے اپنا روپیہ چند مدات کے لئے علیحدہ علیحدہ کر کے اپنے صندوقچہ میں رکھدیا تو اگر اس روپیہ پر سال گزر جائے اور وہ روپیہ بقدر نصاب ہو تو اس کی زکوۃ دینا پڑے گی۔

Marfat.com

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس صرف سو روپیہ ہیں تو اُس کی زکوۃ کس طرح دی جائے اور کتنے روپے زکوۃ میں دینا ہوں گے اور اگر ایک تولہ سونا یا ایک تولہ چاندی ہو تو اسکی زکوۃ کیا دینا ہوگی، کتنے سونے اور چاندی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، ایک شخص کی سو روپیہ تنخواہ ہے اُس سے وہ اپنی، اپنے والدین اور دادا کی خدمت بھی کرتا ہے اور کچھ روپیہ جمع بھی کرتا ہے تو اسکو کس طرح زکوۃ دینا چاہیئے۔ کیا زکوۃ رمضان ہی کے مہینے میں نکالنا شریعت میں ضروری ہے

جواب۔ جس شخص کے پاس صرف سو روپیہ ہوں اور وہ قرضدار نہ ہو اور اس کے سو روپیہ پر ایک سال گزر گیا ہو تو اُسکو ڈھائی روپیہ اس سال کی زکوۃ دینا ہوگی۔

اور اگر کسی شخص کے پاس صرف ایک تولہ سونا یا صرف ایک تولہ چاندی ہے تو اس کے اوپر زکوۃ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس پر زکوۃ واجب ہو۔

سونے میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے پانچ تولہ ڈھائی ماشے سونے کا مالک ہونا شرط ہے اس سے کم سونے پر زکوۃ واجب نہیں۔ اور چاندی پر زکوۃ واجب ہونے کے لئے چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشے چاندی کا مالک ہونا شرط ہے اس سے کم چاندی پر زکوۃ واجب نہیں اور چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشے چاندی ساڑھے گیارہ ماشی روپیہ رائج الوقت کے حساب سے $52\frac{1}{2}$ روپیہ کچھ ماشے چاندی کے برابر ہوتی ہے لہذا $39\frac{1}{2}$ روپیوں کا مالک ہونا زکوۃ کو واجب کرے گا پس جو شخص اوپر لکھی ہوئی چاندی اور سونے کا اور روپیوں کا مالک ہوگا اُسکو سال قمری گزرنے پر زکوۃ دینا پڑے گی یعنی اُن کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ہوگا۔

اور اگر کسی شخص کے پاس سو روپیہ اور ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو اور ان تینوں قسم کے مالوں پر سال گزر جائے تو اس کو سو روپیہ کی زکوۃ ڈھائی روپیہ، اور ایک تولہ سونے کی زکوۃ $2\frac{1}{2}$ رتی سونا اور ایک تولہ چاندی کی زکوۃ $2\frac{1}{2}$ رتی چاندی دینا ہوگی۔

جس شخص کی تنخواہ سو روپیہ ہے اور وہ اس تنخواہ سے اپنے، اپنے والدین اور دادا پر کچھ کچھ روپیہ صرف کرتا ہے اور ان اخراجات کے بعد کچھ رقم جمع کرتا ہے تو جو روپیہ اُس کا جمع ہوگا اُس پر

Marfat.com

زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ جمع شدہ روپیہ کی میزان نصاب ۳۹ یا اس سے زائد ہو اور اس روپیہ پر ایک سال گزر گیا ہو، تنخواہ پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ زکوۃ کے دینے میں اختیار ہے کہ جتنے روپیوں کی زکوۃ دینا ہے اسکے سال گزرنے پر دے یا اس کے مجموعہ سے بطور قسط ماہ بماہ کچھ کچھ روپیہ دیتا رہے یہاں تک کہ سال گزرنے پر کل زکوۃ کا روپیہ ادا ہو جائے۔

چونکہ رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے اس لئے عموماً زکوۃ نکالنے والے اشخاص اس مہینے میں زکوۃ دیا کرتے ہیں ورنہ شریعت میں یہ مہینہ زکوۃ دینے کے لئے لازم نہیں کیا گیا ہے۔

مسئلہ:۔ الف نقد سونا چاندی ہو (ب) وہ پیداوار جو مالک آراضی کو آبپاشی سے حاصل ہوئی ہو (ج) وہ پیداوار جو مالک آراضی کو بغیر آبپاشی حاصل ہوئی ہو (د) زیورات نقرئی وطلائی ہوں (ہ) تجارتی جانور اور تجارتی اسباب ہو تو ان سب کی زکوۃ کے لئے مسلمانوں کا تبرعی مسلمین بیت المال قائم کرنا اور اسکی نگرانی حکومت وقت کے سپرد کرنا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ وہ اموال جن پر زکوۃ واجب ہوتی ہے دو قسموں پر ہیں ایک اموال ظاہری دوسرے اموال باطنی۔ اموال ظاہری وہ مواشی ہیں جو چرائی پر جاتے ہیں جنکو سوائم کہتے ہیں اور وہ اموال تجارت ہیں جن کو تاجر اپنے ہمراہ ایک شہر سے دوسرے شہر بغرض تجارت لے جاتا ہے اور ان کا عشر یا ٹیکس بادشاہ اسلام کے اُن عمال کو دیتا ہے جو اسی کام کے لئے بادشاہ اسلام نے مقرر کیے ہوں اور وہ زمینداریاں ہیں جن کا عشر یا خراج امیر اسلام کے عمال کو دینا ہوتا ہے اور اموال باطن وہ روپیہ پیسہ سونا چاندی یا اُن کے ظروف وزیورات ہیں جو صاحب مال کے گھر میں ہوں اور وہ اموال تجارت ہیں جو تاجروں کی دوکانوں یا گوداموں میں موجود ہوں۔ ان میں سے اموال ظاہری کی زکوۃ لینے کا حق امام مسلمین اور اس کے عمال کو حاصل ہے اس لئے کہ امام مسلمین کو اُن اموال پر ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اموال اُن کی حفاظت ونگرانی میں ہوتے ہیں۔ اور اموال باطنی کی زکوۃ لینے کا حق امام اور اس کے عمال کو نہیں ہے اس لیے کہ اس کی حفاظت ونگرا

Marfat.com

ان کے ذمہ نہیں ہے۔ لیکن جب ممالک اسلامیہ میں خوارج کا غلبہ ہوا اور ان کا تغلب اور تصرف بیت المال کے رقوم پر ہونے لگا تو بعد کے علمانے یہ فتوی دیا کہ اموال ظاہر کے مالکوں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ خود اپنے اموال ظاہر کی زکوۃ مصارف زکوۃ میں صرف کریں۔

پس اس مسودۂ قانون میں جو اموال ذکر کئے گئے ہیں ان میں الف میں نقد سونا چاندی کا ذکر ہے ب میں وہ پیداوار ہے جو مالک آراضی کو آب پاشی سے حاصل ہوتی ہے ج میں وہ پیداوار ہے جو مالک آراضی کو بغیر آب پاشی کے حاصل ہوتی ہو د میں زیورات نقرئی و طلائی کا ذکر ہے ہ میں تجارتی جانوروں اور تجارتی اسباب کا ذکر ہے ان میں سے الف و د دو اموال باطنہ ہیں جنکی زکوۃ صاحب مال کو خود ادا کرنا چاہیے امام مسلمین کو ان کی زکوۃ لینے کا حق نہیں ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے اور ب و ج اموال ظاہرہ ہیں جن کی زکوۃ لینے کا اگرچہ امام مسلمین کے موجود ہونے کی صورت میں اسکو اور اس کے عمال کو ہے لیکن متاخرین نے جب امرائے مسلمین کو دیکھا کہ وہ بیت المال کے مال کو بھی اپنے تصرف میں لاتے تھے اور اس کے مال کو ان کے مصارف میں نہیں صرف کرتے تھے تو تحریر فرما دیا کہ اموال ظاہر کے مالکوں کو بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوۃ اُن کے مصارف میں خود ہی صرف کریں، امرائے مسلمین اور ان کے عمال کو نہ دیں جیسا کہ ظہیریہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے تو ان اموال کی زکوۃ بھی مالکوں کو خود ہی ان کے مصارف میں صرف کرنا چاہیئے۔

پس چونکہ ہندوستان دار الاستیلاء ہے جس میں کسی کو اموال مسلمین پر ولایت نہیں حاصل ہے تو کسی کو اموال مسلمین کی زکوۃ لینے کا بھی حق نہ ہوگا خواہ وہ حکومت ہو یا مسلمانوں کی بنائی ہوئی جماعت ہو۔ اور تصریحات علما سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اموال مسلمین کی زکوۃ خود صاحب اموال مصرف زکوۃ میں صرف کر سکتا ہے اس کے لئے کسی امام مسلمین کی ضرورت نہیں ہے تو حکومت کو تبراضی مسلمین ایک افسر اعلیٰ یا حاکم اور امام اس لیے مقرر کرنا کہ وہ زکوۃ تحصیل کرے اور اسکو اس کے مصارف پر صرف کرے جائز نہیں ہے نیز جماعت مسلمین کو بھی جائز نہیں ہے کہ وہ تراضی مسلمین سے کسی امام یا حاکم کو تحصیل زکوۃ کے لئے مقرر کرے اور حکومت سے خواہش کرے کہ اس کا مقرر کیا ہوا امام امام بنا دیا جائے

Marfat.com

اس لئے کہ تراضی مسلمین سے امام مقرر کرنے کا جواز صرف انھیں امور میں ٹھہرایا گیا ہے جو امور بغیر امام کے انجام نہ پا سکتے ہوں مثلاً اقامت جمعہ و اعیاد و فصل خصومات وغیرہا اور اصول کا مسلمہ مسئلہ یہ ہے کہ جو چیز بضرورت جائز کی گئی ہو اس حد تک رہتی ہے اُس سے متجاوز نہیں ہوتی پس جبکہ بغیر تحصیل امام مسلمین زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تو تحصیل زکوٰۃ کے لئے امام کا مقرر کرنا اُس حد سے متجاوز ہوگا جو جائز نہ ہوگا۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہندوستان میں کسی کو اموال مسلمین پر ولایت حاصل نہیں ہے اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے مسلمانوں کا یا حکومت کا تبراضی مسلمین کسی کو امام یا حاکم بنانا بھی جائز نہیں ہے تو مسلمانوں کی جماعتیں یا حکومت جو بیت المال قائم کریں گی وہ شرعی بیت المال نہ ہوگا اس لئے کہ بیت المال امام مسلمین کے زیر ولایت و حفاظت ہوا کرتا ہے اور جب کوئی والی ہی نہیں تو بیت المال کیسا علاوہ بریں جب علمائے متاخرین نے حکومت اسلامی کے بیت المال کو تغلب و تصرف امراء و سلاطین سے پاک نہیں پایا تو اس زمانے میں یہ سمجھنا کہ بیت المال تغلب تصرف سے پاک ہوگا بڑی جرأت کی بات ہے خاص کر جبکہ کسی وقتی قانون کی بنا پر موجودہ حکومت کو رعایا کے جمع کئے ہوئے اموال کا ظلماً و جبراً ضبط کر لینے کا اختیار حاصل ہے پس ایسی صورت میں خود سے مسلمانوں کے اموال کو قبضہ غیر مسلمین میں دے دینا نہ صرف شرع بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے چاہے یہ قبضہ کسی طرح پر ہو۔

مسئلہ (۱) اس کی کیا وجہ ہے کہ علماء مروجہ تولے اور رتی کے اعتبار سے سونے اور چاندی کا نصاب زکوٰۃ مختلف بتاتے ہیں خاص کر علمائے دہلی وغیرہ نے چاندی کا نصاب باون تولے چھ ماشے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے لکھا ہے اور علمائے فرنگی محل اور دیگر علما چاندی کا نصاب چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے اور سونے کا نصاب پانچ تولے ڈھائی ماشے لکھتے ہیں ان علما کے حساب میں اتنا فرق کس وجہ سے ہوتا ہے اور واقعی چاندی اور سونے کا نصاب کو اہل تحقیق کے نزدیک کیا ہے۔

(۲) چاندی کے مروجہ روپیوں میں کتنے روپیہ بقدر نصاب ہوں گے۔ اور نئے روپیوں کی زکوٰۃ ادا

ابوحنیفہؒ کے مسلک پر کتنی دینا ہوگی اور صاحبینؒ کے مسلک پر کتنی۔ نیز سو روپیوں کی زکوٰۃ علما نے ڈھائی روپیہ لکھی ہے۔ وزن کے اعتبار سے ڈھائی روپیہ سو روپیوں کا چالیسواں حصہ نہیں ہوتا ہے۔

(۳) نوٹ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے۔

(۴) اگر کوئی شخص ہزار پانچ سو روپیہ کار خیر کے لئے علٰحدہ کر لے تو اس کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں۔

(۵) صاع مروجہ سیر کے اعتبار سے کتنے کا ہوتا ہے۔

جواب (۱) یہ امر مسلم ہے کہ چاندی کا نصاب زکوٰۃ دو سو درہم اور سونے کا نصاب زکوٰۃ بیس مثقال ہے لیکن علما نے مثقال کے وزن میں اختلاف کیا ہے۔ علمائے سمرقند کے حساب سے چھیانوے جَو کا ایک مثقال ہوتا ہے لہذا بیس مثقال پانچ تولے کے سولے کے برابر ہونگے۔ اور نصاب زکوٰۃ سونے کا پانچ تولے ہوگا علمائے ہراۃ کے نزدیک ایک مثقال بیس قیراط کے برابر اور ایک قیراط پانچ جَو کے برابر ہے لہذا بیس مثقال پانچ تولے ڈھائی ماشے کے برابر ہوں گے اور یہی نصاب زکوٰۃ سونے کا ہے۔

اور علامہ معین الدین شرح کنز میں تحریر کرتے ہیں۔ "ونصاب الذهب بوزن بلادنا سبع تولجات ونصف تولجة" اس روایت پر سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہوگا۔ بعد کے علما نے ان ہی حضرات کے اقوال پر فتوے دے ہیں۔ بعض نے سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے لکھا ہے کسی نے پانچ تولے اور کسی نے پانچ تولے ڈھائی ماشے، اسی طرح درہم میں بعض علما نے یہ فتوی دیا ہے کہ جس شہر میں جس قسم کے دراہم رائج ہوں اُن کے دو سو درہم نصاب زکوٰۃ ہیں اور بعض نے اس میں یوں ترمیم کی ہے کہ مروجہ دو سو دراہم اُسی وقت نصاب زکوٰۃ ہوں گے جب ان کی مقدار وزن کے اعتبار سے ان دو سو درہموں سے کم نہ ہو جو دراہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے کم وزن رکھتے تھے (اور سب سے کم وزن رکھنے والے وہ دراہم تھے کہ اُن کے دس درہم برابر ہوں پانچ مثقال کے ان دراہم کو وزن خمسہ کہتے تھے)

پس اس ترمیم کی صورت میں وزن خمسہ رکھنے والے دو سو دراہم نصاب زکوٰۃ ہوں گے۔

Marfat.com

عہد ہمایوں یعنی زمانۂ سرکار رسالت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور زمانۂ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی زمانہ میں تین قسم کے دراہم رائج تھے ایک وزن عشرہ کہلاتے تھے یعنی دس درہم مساوی ہوتے تھے دس مثقال یا دس دینار کے اور ایک مثقال میں قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا لہذا ایک مثقال برابر سو جو یعنی پچیس رتی (تین ماشے ایک رتی) کے، اس اعتبار سے دو سو درہم برابر ہوں گے باون تولے ایک ماشے کے اور یہی چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہوگا۔

دوسری قسم کے دراہم وزن خمسہ کہلاتے تھے یعنی دس دراہم برابر ہوتے تھے پانچ مثقال کے پس دو سو درہم برابر سو مثقال کے اور ایک مثقال پچیس رتی (تین ماشے ایک رتی) کا لہذا دو سو درہم برابر ہوں گے چھبیس ۲۶ تولے چار رتی کے اور اس اعتبار سے چاندی کا نصاب زکوٰۃ چھبیس ۲۶ تولے چار رتی ہوگا۔

تیسری قسم کے دراہم وزن ستہ کہلاتے تھے یعنی دس درہم برابر ہوتے تھے چھ مثقال کے پس دو سو درہم برابر ہوں گے ایک سو بیس مثقال کے لہذا دو سو درہم برابر ہوں گے اکتیس ۳۱ تولے تین ماشے ہوگا۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں لین دین میں جھگڑا ہونے لگا تو آپ نے محضر صحابہ میں ان تینوں قسم کے دراہم کی کمی اور زیادتی کو ایک کر کے وزن سبعہ کا درہم بنایا اور ان تینوں قسموں کے دراہم کو ٹکسال باہر کر کے وزن سبعہ والے دراہم کو رائج کیا اور اس وقت سے لین دین اسی وزن سبعہ والے درہم سے شروع ہوگیا۔ ان دراہم کا وزن یہ تھا کہ دس دراہم برابر سات مثقال کے لہذا دو سو درہم برابر ہوں گے ایک سو چالیس مثقال یعنی چھتیس ۳۶ تولے ساڑھے پانچ ماشے کے اور چاندی کا نصاب زکوٰۃ اس حساب سے چھتیس ۳۶ تولے ساڑھے پانچ ماشے ہوگا۔

مولانا معین الدین نے کنز کے حاشیہ میں ایک قیراط کا وزن ۴/۱۵ جبہ لکھا ہے اور ایک درہم کا وزن ۲۵ ۱/۵ جبہ لکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ تولہ فی زمانہ ۹۶ جبہ کا ہے جو عرف عام ماشے کا ہوتا ہے اور ایک ماشہ آٹھ جبہ کا۔ اس حساب سے دو سو درہم ۵۰۴۰ جبہ کے برابر ہوں گے جن کا وزن تولہ کے حساب سے باون ۵۲ تولہ چھ ماشہ ہوتا ہے۔ لہذا اس حساب سے چاندی کا نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون تولے ہوگا۔

Marfat.com

بعد کے علمانے انھی اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے چاندی کا نصاب بھی مختلف لکھا ہے لیکن محققین کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مثقال میں قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جَو کا اور چار جَو کی رتی اور آٹھ رتی کا ماشہ اور بارہ ماشے کا تولہ، لہٰذا بیس مثقال سونا برابر ہوگا پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے کے، اور سونے کی زکوٰۃ کا نصاب اہلِ تحقیق مثل صاحب ہدایہ اور صاحب بحر اور علامہ شامی اور صاحب شرح وقایہ کے مسلک پر پانچ تولے ڈھائی ماشے ہوگا۔ اسی طرح ان محققین نے تصریح کردی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جبکہ تمام درہموں کو ٹکسال باہر کرکے وزن سبعہ کے درہم رائج کیے اور اس زمانے سے لے کر اس وقت تک علمار دراہم میں اسی وزن کا اعتبار کرتے ہیں تو نصاب زکوٰۃ مقرر کرتے وقت دراہم میں وزن سبعہ کا اعتبار کرنا چاہیے۔

فلہٰذا دو سو درہم برابر ہوں گے ۳۶ تولہ ۵½ ماشے چاندی کے اور اسی قدر چاندی اہلِ تحقیق کے مسلک پر نصابِ زکوٰۃ ہوگی۔ پس محققین علما کے تصریحات اور روایاتِ متون کو چھوڑ کر دوسرے علمار کے اقوال پر فتویٰ دینا غیر مناسب ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ملا مبینؒ فرنگی محلی اور ان کے صاحبزادے حضرت ملا معینؒ اور حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عبد الحیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں سونے کا نصابِ زکوٰۃ پانچ تولے ڈھائی ماشے سونا اور چاندی کا نصابِ زکوٰۃ چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی لکھا ہے اور اس نصاب پر جب سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں فقرار و مساکین کو دینا واجب ہوگا۔ پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے کا چالیسواں حصہ ڈیڑھ ماشہ اور نصف رتی سونا ہوتا ہے اور چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کا چالیسواں حصہ دس ماشے ساڑھے سات رتی چاندی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب پانچ تولے ۲½ ماشے سونے پر ایک سال گزر جائے تو ڈیڑھ ماشہ اور نصف رتی سونا فقرار و مساکین کو دینا واجب ہے اور جب ۲۶ تولے ۵½ ماشے چاندی پر ایک سال گزر جائے تو دس ماشے ساڑھے سات رتی چاندی فقرار و مساکین کو دینا واجب ہے۔

Marfat.com

(۳) جس طرح دراہم مختلف وزن کے ہوتے تھے اسی طرح ہندوستان میں چاندی کا روپیہ بھی مختلف وزنوں کا رائج تھا۔ شاہی زمانے میں گیارہ ماشے کا روپیہ تھا انگریزی حکومت نے ساڑھے گیارہ ماشے کا روپیہ رائج کیا۔ ابتدائے حکومت انگریزی میں دونوں سکے رائج تھے اس لئے علمانے روپیوں کے نصاب میں بھی اختلاف کیا ہے۔ جن علما کے زمانے میں گیارہ ماشے کا روپیہ چلتا تھا انھوں نے اس کے وزن کے اعتبار سے روپیوں کا نصاب زکوٰۃ ۱۳۹/۱۰ روپیہ آٹھ ماشے چار رتی چاندی تحریر فرمایا ہے اور جن علما کے زمانے میں ساڑھے گیارہ ماشے والے روپیہ کا رواج ہوا انھوں نے روپیوں کا نصاب ۱۳۸/۱۰ روپیہ نصف ماشہ چاندی مقرر کیا۔ اور کسور کو بمنزلہ ایک روپیہ کے مان کر اول الذکر علمانے للعلم ۱۴۰ روپیہ اور ثانی الذکر علمانے لعلم ۱۳۹/۱۰ روپیہ نصاب زکوٰۃ تحریر کیا ہے ان علمانے روپیوں کا نصاب مقرر کرتے وقت انکی تعداد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ اُن کے وزن کا اعتبار کیا اور وزن کرتے وقت وزن سبعہ والے دراہم کے وزن کا اعتبار کیا ہے۔

حضرت ملا مبین ابن حضرت ملا مبین فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں "پس درہم شرعی ہفتاد جو شد دہفتاد جو بمقدار ہفتدہ و نیم رتی اے دو ماشہ و یک و نیم رتی است پس دو صد درہم کہ نصاب فضہ است بحساب مذکور سی و شش تولہ و پنج و نیم ماشہ شد کہ در آں پنج درہم کہ وہ ماشہ و ہفت و نیم رتی بعد گزشتن بر وے کامل یک سال بدہد و درہم مروج درین بلدہ کہ آں را روپیہ می گویند بوزن یازدہ ماشہ است پس وزن دو صد درہم بحساب روپیہ ہائے مروجہ چہل روپیہ تقریباً یعنی سی و نہ روپیہ و دوازدہ آنہ و دو رتی می شود" اور حضرت مولانا عبد الحیؒ عمدۃ الرعایہ میں مائتا درہم کے تحت تحریر فرماتے ہیں "مقدار آں سی و شش تولہ و پنج و نیم ماشہ است و بحساب مبالغ روپیہ ہائے چہرہ دار سکۂ انگریزی تخمیناً و احتیاطاً سی و نہ روپیہ" پس چاندی کا روپیہ جو اس زمانے میں رائج ہے اس کا وزن ساڑھے گیارہ ماشے ہے لہٰذا روپیوں کے اعتبار سے نصاب زکوٰۃ تقریباً اور احتیاطاً ۱۳۹/۱۰ روپیہ ہے جب اتنے روپے پر ایک سال گزر جائے تو کم سے کم پونے سولہ آنے اور احتیاطاً ایک روپیہ فقرا کو دینا واجب ہے۔

چاندی اور سونے میں فقہا وزن کا اعتبار کرتے ہیں اور سو روپیوں کا چالیسواں حصہ وزن

Marfat.com

اعتبار سے بھی ڈھائی روپیہ ہوتا ہے اس لئے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ سو روپیہ میں ڈھائی روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں گے۔ چونکہ امام صاحب کے نزدیک کسی نصاب پر جب تک زیادتی خمس تک نہ ہو اُس وقت تک زیادتی پر زکوٰۃ نہیں اور صاحبین کے نزدیک نصاب پر جو زیادتی بھی ہو خواہ خمس تک نہ زیادتی پہونچے یا نہ پہونچے زیادتی کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

بناءً علیہ جبکہ روپیوں کا نصاب ۳۹/۱۰ ہے اور اس کا خمس ۱۲/۵ ۹/۵ پائی ہے تو ستوار مجموعہ ہوا دو نصابوں (۷۸/۱۰ اور ۲/۵ نصاب (۹/۵ پائی) اور خمس نصاب سے کم (۱۲/۴ ۴/۵ پائی) کا مہذا امام صاحب کے مسلک پر اس کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جائے گی کہ دو نصابوں اور دو خمس نصاب کا چالیسواں حصہ نکال کر فقرا کو دیا جائے جو تقریباً دو روپیہ چھ آنے چھ پائی ہوتا ہے اور خمس نصاب سے کم کی زکوٰۃ معاف ہو گی اور صاحبین کے مسلک پر ستو کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں گے۔

جو روپیہ فی زمانہ رائج ہے وہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے لہذا ستو کا وزن ایک ہزار ایکسو پچاس ماشے ہوا جس کا چالیسواں حصہ اٹھائیس ماشے چھ رتی جو برابر ہے ڈھائی روپیہ کے، آپ نے جو وزن لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے اس لیے حساب صحیح نہیں آتا۔ ہزار دو ہزار روپیہ کی زکوٰۃ بھی ڈھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے ادا کی جائے

(۳) نوٹ روپیہ کا قائم مقام ہے لہذا اُس کی زکوٰۃ روپیہ کے نصاب سے واجب ہو گی اور روپیہ کا نصاب وزن کے اعتبار سے مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص ہزار پانچ سو روپیہ الگ کر دے اور یہ نیت کرے کہ اسکو فی سبیل اللہ خرچ کروں گا اور اسپر سال گزر جائے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

(۵) صاع کی پیمائش میں بھی علما کا اختلاف ہے محققین احناف کے مسلک پر ایک صاع برابر ہے دو سیر ایک پاؤ ایک تولے ایک چھٹانک دو تولے چھ ماشے کے اور نصف صاع برابر ہے ایک سیر آدھ پاؤ آدھ چھٹانک ایک تولے تین ماشے کے لہذا صدقۂ فطر محققین کے مسلک پر گیہوں وغیرہ میں ایک سیر

Marfat.com

آدھ پاؤ آدھ چھٹانک ایک تولہ تین ماشے واجب الادا ہوتا ہے اور جَو وغیرہ میں دو سیر ایک پاؤ ایک چھٹانک دو تولے چھ ماشے واجب الادا ہوتا ہے لیکن احتیاطاً گیہوں وغیرہ کا صدقۂ فطر پونے دو سیر اور جَو وغیرہ کا ساڑھے تین سیر لکھتے ہیں۔

کِتَابُ الحَجِّ

مسئلہ ۱۔ حج اکبر کسے کہتے ہیں۔

جواب مشہور یہ ہے کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا اس دن جب حج ہو تو حج اکبر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن حج ادا کیا تھا پس اس روایت مشہور پر جس سال حج جمعہ کے دن ہو یعنی یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس سال حج اکبر ہوگا۔ لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر حضرات مثلاً مجاہد، عکرمہ، طاؤس رضی اللہ عنہم کے نزدیک یوم حج اکبر یوم عرفہ ہے یعنی وقوف عرفات جس دن ہو اس کو حج اکبر کہیں گے اُس دن جمعہ ہو یا نہ ہو۔

اور حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن ابی اوفی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ یوم نحر یوم حج اکبر ہے یعنی دسویں ذیحجہ کو حج اکبر کہتے ہیں۔

اور مجاہد اور سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ حج اکبر ایام منیٰ ہیں یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں ذیحجہ کو حج اکبر کہتے ہیں۔

اور مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ قران کا نام حج اکبر ہے اور افراد کا نام حج اصغر ہے اور زہری اور شعبی اور عطاء سے روایت ہے کہ حج کا نام اکبر ہے اور عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں۔

مسئلہ۔ عورت کا بغیر محرم کے سفر حج کرنا کیسا ہے؟

جواب۔ عورت کو بلا شوہر یا کسی محرم کے سفر حج کرنا درست نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو فریضۂ حج ادا کرنا ثقات عورت کی ہمراہی میں اس طور پر جائز ہے کہ

Marfat.com

ان ثقات عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اُن کا محرم موجود ہو۔

پس ہمارے بعض اکابر نے فریضۂ حج میں عورت کے لئے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

مسئلہ۔ ایک عورت جو لکھنؤ کی رہنے والی ہے اس پر مالی اعتبار سے حج تو فرض ہوا مگر اس کو کوئی محرم نہ مل سکا جس کے ہمراہ سفر کر سکتی، اب کبر سنی کی وجہ سے سفر کرنے کے قابل نہیں رہی آیا حج بدل کرانا اس پر واجب ضروری ہے یا نہیں۔

مسماۃ مذکورہ اگر حج بدل کرائے تو حجاز یا مکہ معظمہ کے کسی باشندہ کو معاوضہ دیکر حج کرا سکتی ہے یا جب تک لکھنؤ سے کسی کو حج بدل کے لئے نہ بھیجے حج بدل پورا نہ ہوگا۔

جواب۔ اس امر میں احناف کا اختلاف ہے کہ عورت کے حج کے لئے محرم کے ساتھ حج کو جانے کی شرط وجوب حج کی شرط ہے یا وجوب ادا کی شرط ہے پس جو علما اسکو وجوب حج کی شرط مانتے ہیں اُن کے نزدیک ایسی عورت پر جو مالی حیثیت سے سفر حج کر سکتی ہو لیکن اسکو حج کرانے کے لئے اُس کا محرم نہیں ملا حج فرض نہیں ہوا اور اس عورت کو مرنے کے بعد حج بدل کرانے کی وصیت کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے اور جو علما اسکو ادائے حج کے وجوب کی شرط مانتے ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت پر حج فرض ہوگیا اور وہ اسکو ادا نہ کر سکی اس لئے اس کے لئے لازم ہے کہ حج بدل کرانے کی وصیت کر جائے ورنہ گنہگار ہوگی۔

پھر صورت مسئولہ میں اگر یہ عورت استطاعت حج کرنے کی رکھتی تھی اور محرم نہ ہونے کی وجہ سے حج نہیں کر سکی تو پہلے قول پر اس پر حج فرض نہیں ہوا اور اب جبکہ سفر حج کی استطاعت بھی کبر سنی کی وجہ سے نہیں رکھتی ہے تو اسکو حج بدل کرانا بھی فرض نہیں ہے اور دوسرے قول پر اس عورت کو حج بدل کرانا ضروری ہے۔ اور چونکہ ان دونوں اقوال کی تصحیح میں بھی علما کے اقوال مختلف ہیں اکثر و بیشتر علمائے احناف قول اول کی تصحیح کرتے ہیں اور امام شافعی اور دیگر بعض علمائے احناف دوسرے قول کی تصحیح کرتے ہیں اس لئے اس عورت کو جبکہ وہ سفر سے معذور ہو چکی ہے مناسب یہ ہے کہ اپنی طرف سے اپنی زندگی میں اپنے ہی شہر سے حج بدل کرا دے اور اگر اپنی زندگی میں اپنی طرف سے

Marfat.com

حج کرنے کے لئے کسی کو نہ بھیجے تو وہ وصیت کر جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کے ورثا اس کی طرف سے حج بدل کرا دیں۔

مسماۃ مذکور اگر اپنی طرف سے حج کرانا چاہتی ہیں تو ان کو لکھنؤ سے کسی شخص کو حج بدل کے لئے بھیجنا چاہیے تاکہ ان مسماۃ کو جو تکلیف اپنا روپیہ اپنے نائب کو دینے میں پہونچے وہ ان کی اس جسمانی تکلیف کے قائم مقام ہو سکے جو ان کو سفر حج میں اٹھانا پڑتی اس لیے کہ معذوریت عن الحج کا اپنی طرف سے کسی کو نائب بھیجنا اسی معنی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اور مکہ معظمہ کے کسی باشندے سے اپنی طرف سے حج کرانے میں انکو کوئی مالی مشقت نہیں پہونچے گی اس لئے ان کی طرف سے نیابت نہیں متحقق ہوگی پس اُس مکی کے حج کرنے سے ان کے ذمہ کا حج ساقط نہ ہوگا البتہ ان کو روپیہ دینے کا ثواب پہونچے گا۔

کتاب الوقف

مسئلہ:۔ اس انقلابی زمانے میں بہت سی مسجدوں کا سامان غارت ہو گیا اور جو بچا یعنی جانمازیں گھڑیاں اور پردے وغیرہ سوان کو بعد تیغہ بندی مساجد ایک جگہ محفوظ کر دیا گیا اب وہ سامان چوہوں اور دیمک کی خوراک بنا ہوا ہے اور برباد و خراب ہو رہا ہے ایسی صورت میں بحالت مجبوری کیا وہ سامان کسی دوسری ضرورتمند آباد مسجد کے استعمال میں لانے اور اس کی فروختگی ہو کر کسی آباد مسجد کی مرمت یا پیش امام اور محافظان آباد و غیر آباد مساجد کی تنخواہوں میں اسکی قیمت صرف ہونے پر کوئی حظر شرعی تو نہیں ہے۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں بحکم قاضی و حاکم اُن ویران مساجد کی جانمازیں، گھڑیاں اور پردے دوسری آباد مسجدوں میں منتقل کیے جا سکتے ہیں اور حاکم کی اجازت سے فروخت بھی کیے جا سکتے ہیں اور ان کی قیمت دوسری آباد مسجدوں میں صرف کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

مسئلہ :۔ مسجد کے متعلق کچھ دوکانیں اور مکانات وغیرہ وقف ہیں اُن کی آمدنی مسجد کے ضروریات پورا کرنے کے بعد فاضل بچتی ہے وہ جمع ہوتی رہتی ہے اس فاضل آمدنی سے مدرسہ اسلامیہ کی اعانت ہوسکتی ہے یا نہیں۔

جواب :۔ مسجد کی آمدنی فاضل سے مدرسہ اسلامیہ کی اعانت کرنا یا غریب اور نادار طلبا کے وظائف مقرر کرنا درست نہیں۔

مسئلہ :۔ ہمارے یہاں کی مسجد اور اس کے متعلقات بہت بوسیدہ ہو گئے تھے اور گر جانے والے تھے اس مسجد کے لئے جو جائداد موقوف تھی اس میں اتنا روپیہ نہیں کہ اُس سے مسجد اور اس کے متعلقات کی تعمیر کرائی جاسکے متولی وقف نے روپیہ قرض لے کر مسجد اور اس کے متعلقات کی تعمیر کرادی۔ آیا متولی وقف اس روپیہ کو جائداد سے وصول کرسکتا ہے یا نہیں۔

جواب :۔ اگر مسجد اور متعلقات مسجد کی تعمیر ضروری تھی کہ اگر تعمیر نہ کرائی جاتی تو مسجد یا متعلقات مسجد کے گر جانے کا اندیشہ تھا تو متولی کو قاضی اور حاکم شرع کی اجازت سے قرض لینا (جبکہ کوئی رقم تحویل متولی میں بغرض تعمیر نہ ہو) اور اس روپیہ سے تعمیر کرانا درست ہے اور وقف کی تعمیر میں جو روپیہ صرف کیا ہے اس کا وقف سے واپس لینا درست ہے۔

اور اگر متولی نے بدون اجازت حاصل کیے حاکم مجاز سے تعمیر وقف کیلئے روپیہ قرض لے لیا تو اُس روپیہ کو جائداد موقوفہ سے بجرالینا درست نہیں۔

اسی طرح اگر غیر شخص نے متولی وقف کی اجازت حاصل کر کے تعمیر وقف کے لئے روپیہ قرض لیا ہے تو جتنا روپیہ تعمیر وقف میں صرف کیا ہے اُس کے بجرالینے کا حق جائداد موقوفہ یا متولی سے اُس شخص کو حاصل ہے۔

اور اگر متولی کی اجازت کے بغیر شخص غیر نے روپیہ قرض لے کر جائداد موقوفہ کی تعمیر کرائی تو جتنا روپیہ اُس نے تعمیر میں صرف کیا ہے اُس کے بجرالینے کا حق نہیں ہے جیسا کہ شامی میں تاتارخانیہ سے منقول ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک مسجد جو بالکل ویران ہو چکی ہے اور اس میں نہ تو کوئی مسلم نماز پڑھتا ہے اور نہ اسکا

امکان ہے بلکہ برخلاف اس کے نہ تو اس کی صفائی ہوتی ہے اور نہ حرمت برقرار رکھی جاتی ہے مویشی بول وبراز کرکے خراب کرتے ہیں کیا ایسی مسجد کا ملبہ لے کر دوسری مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ ملبہ جو خود حوادث زمانہ سے گر گیا ہو یا وہ ملبہ جو مسجد میں لگا ہوا ہے گرا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں ایسے مساجد جو ویران ہو گئے ہیں اور ان کے آباد ہونے کا امکان بھی نہیں تو اس کے عملہ کا خواہ اوقتادہ یا غیر اوقتادہ دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ عملہ دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے اور مسجد ویران کی زمین کو چار دیواری کھینچ کر اس طرح بند کر دیا جائے کہ اس کے اندر آمد و رفت بند ہو جائے۔

مسئلہ:۔ عام طور پر جو متولی وقف میں خیانت وغیرہ کرتا ہے اس کی معزولی ڈسٹرکٹ جج کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے۔ کیا حکومت سے مرکزی سنی وقف بورڈ اسکی خواہش کر سکتا ہے کہ ایسی صورت میں متولی کا معزول کرنا بھی اسکے سپرد کر دیا جائے یا نہیں۔

جواب۔ دستور شرع کے مطابق کسی وقف کے متولی کو معزول کرنے کا حق قاضی اسلام کو ہے اور قاضی کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

بنائً علیہ جبکہ ڈسٹرکٹ جج عموماً مسلمان نہیں ہوتا تو غیر مسلم ڈسٹرکٹ جج کو شرعاً متولی وقف کے معزول کرنے کا حق نہیں اور نہ اسکے معزول کرنے سے وہ متولی شرعاً معزول ہوگا۔ لہذا حکومت سے یہ خواہش کرنا شرعاً درست ہے کہ اس قسم کے اختیارات بھی مرکزی سنی وقف بورڈ کو تفویض کر دئے جائیں تاکہ اس قسم کے فیصلے بھی شریعت کے قانون کے اعتبار سے قابل نفاذ ہو جائیں۔

مسئلہ۔ جدید مسجد بننے کے بعد کچھ اینٹیں فاضل بچی ہیں، ان کو گاؤں کے لوگ اپنے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں جبکہ مسجد گاؤں والوں نے بنائی ہے۔

جواب۔ اگر اینٹیں مسجد کے روپیہ سے خریدی گئی تھیں یا کسی شخص نے اینٹیں خرید کر متولی مسجد کے حوالے کر دی تھیں کہ یہ اینٹیں مسجد میں لگائی جائیں تو مسجد کی تعمیر کے بعد جو اینٹیں بچی ہیں اور مسجد

Marfat.com

کام میں نہیں آسکی ہیں تو ان کو متدین مسلمان کے ذریعہ اچھے داموں فروخت کرکے اس کی قیمت کو تعمیر مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے اور اگر اُس موضع کے باشندوں نے اپنے ذاتی روپیہ سے اینٹیں خرید کر مسجد بنوانا شروع کی تھی اور ان لوگوں نے اینٹیں متولی مسجد کو تعمیر مسجد کے لئے نہیں دی تھیں تو تعمیر کے بعد جو اینٹیں فاضل بچی ہیں ان کو اس موضع کے باشندگان جنھوں نے اپنے روپیہ سے اینٹوں کو خریدا تھا اپنے ضروریات میں صرف کرسکتے ہیں۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں کے مہتمم مسجد نے ایک پتھر پرانے متولیوں اور مہتموں کے نام اور تاریخ مسجد کے روپیہ سے کندہ کرائی ہے اور اسکو مسجد میں نصب کرایا ہے۔ جس سے نمازیوں میں ایک گونہ بے چینی پیدا ہوگئی ہے تو مہتمم مسجد کو مسجد کے روپیہ سے ایسا پتھر کندہ کرانا اور اسے مسجد میں نصب کرنا جائز ہے یا نہیں۔

مسجد کا روپیہ جو مہتمم نے اس پتھر کے کندہ اور نصب کرانے میں صرف کیا ہے وہ مہتمم سے دلایا جائے گا یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں مہتمم مسجد کا مسجد کے روپیہ سے یہ پتھر (جس پر مہتمیں کے نام اور تاریخ کندہ ہے) خریدنا اور مسجد کے روپیہ سے اس پر تاریخ کندہ کرانا اور اس کا نصب کرانا درست نہیں ہے۔ اور جتنا روپیہ مسجد کا مہتمم نے اس میں صرف کیا ہے اس کا وہ ضامن ہے۔ ممبران انتظامیہ کمیٹی مہتمم مذکور سے وہ روپیہ وصول کرلیں۔

اور جب کہ اس پتھر کے نصب کرنے کی وجہ سے مسلمان اور مسجد میں نمازیں پڑھنے والوں میں بے چینی پیدا ہے تو اسکو مسجد سے نکال دینا چاہیے۔ نیز اس قسم کا کوئی پتھر مسجد کی آمدنی سے مسجد میں نہیں نصب کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ۔ مسجد کے بنانے کے بعد جو لکڑی بچ رہی ہے اسکو مسجد بنانے والا اپنے کام میں لاسکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر متولی کو لکڑی اس لئے دی گئی کہ وہ فلاں مسجد میں لگائے تو متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ

فاضل اور بچی ہوئی لکڑی کو بیچ کر اس مسجد کے دوسرے ضروریات مثلاً چٹائی وغیرہ میں صرف کرے اور اگر بانی مسجد نے مسجد بنانے کے لئے سامان اپنے پاس سے خریدا اور کچھ سامان مسجد تیار ہونے کے بعد بچ رہا تو بانی مسجد اس سامان کو اپنے صرف میں لا سکتا ہے۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں ایک بوسیدہ مسجد ہے اسکو شہید کر کے نئی مسجد بنائی جا رہی ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ پرانی مسجد کا سامان جو مسجد کی تعمیر میں نہیں لگایا جا سکتا ہے فروخت کر کے اسکی قیمت جدید تعمیر میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر مسجد قدیم اپنی شکستگی اور بوسیدگی کی وجہ سے منہدم کی جائے تو اس کا ملبہ اور لکڑی وغیرہ حتی الامکان اسی مسجد کی تعمیر جدید میں صرف کرنا چاہیے اور جو سامان تعمیر جدید کے بعد بچ رہے اسکو محفوظ کر دینا چاہیے اور ضرورت کے وقت اسی مسجد میں لگا دیا جائے اور اگر وہ سامان ایسا ہو کہ کسی طرح تعمیر جدید میں نہیں لگایا جا سکتا ہو اور اسکے محفوظ کر دینے میں اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو حاکم شرع یا متدین مسلمان جس کو حق استبدال دیں اسکی اجازت سے اس سامان کے عوض دوسرا سامان لے لیا جائے اور اگر اس کے عوض دوسرا سامان نہ مل سکے تو اس حاکم یا مقرر کردہ حاکم کی اجازت سے وہ سامان زائد سے زائد قیمت پر فروخت کیا جا سکتا ہے اور وہ قیمت تعمیر جدید میں صرف کی جائے اور جس شخص نے وہ سامان خریدا ہے وہ اسکو اپنے صرف میں لا سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ زید نے ایک زمین پرانے قبرستان کی خریدی ہے اس میں قبروں کے نشان موجود ہیں۔ کیا زید ان نشانوں کو مٹا کر اس زمین پر اپنا مکان بنا سکتا ہے۔

جواب مسلمان کی قبر کے نشان کو مٹانا اس مسلمان کی بے حرمتی ہے اور مسلمان میت کی بے حرمتی اور استخفاف شرعاً مکروہ ہے۔

پس نشان قبور مسلمین کا مٹانا مکروہ ہے قبروں کے نشانات مٹانے والے کو اس فعل سے روکا جائے نیز قبور مسلمین کے اوپر مکان بنانا بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ ہمارے موضع میں جامع مسجد اور عیدگاہ کے لئے کچھ آراضی وقف ہے۔ کاشتکاروں نے کئی سال سے لگان نہیں ادا کیا متولی کی امکانی کوشش کے باوجود وہ لگان دینے پر تیار نہیں ہوئے بدرجۂ مجبوری متولی نے عدالت میں دعویٰ کر دیا۔

عدالت سے صرف تین سال کا لگان دلوایا گیا اور باقی لگان کاشتکاروں کو معاف کر دیا۔ کیا عدالت کا یہ فیصلہ قابل نفاذ ہوگا یا نہیں۔

جواب:۔ احناف کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ قاضی القضاۃ (حاکم اسلام) اگر کوئی فیصلہ ایسا کرے جس پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوتا ہے اور واقف کے شرائط کے خلاف حکم دینا بھی حکم بلا دلیل ہے لہٰذا اگر قاضی القضاۃ کوئی حکم مخالف شرط واقف دے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

پس صورت مسئولہ میں جبکہ حاکم اسلام کا وہ فیصلہ جو شرط واقف کے خلاف ہو اور وہ وقف کے لئے نفع مند بھی نہ ہو نافذ نہیں ہوتا ہے تو حکومت غیر اسلامی کا یہ فیصلہ (کہ سنین ماضیہ کا لگان کاشتکاروں کو معاف کر دیا جائے) بدرجۂ اول قابل نفاذ نہ ہوگا اور اس فیصلہ سے وقف کا ضرر بھی ہوتا ہے پس اگر حکومت اس طرح کا فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ ہرگز نافذ نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں کو اس قسم کے فیصلوں کی منسوخ کرانے میں ہر امکانی کوشش کرنا چاہیے۔

مسئلہ:۔ متولی اپنی زندگی میں کسی دوسرے کو متولی بنا کر عہدۂ تولیت سپرد کر سکتا ہے یا نہیں اور متولی کا بنایا ہوا متولی متولی ہوگا یا نہیں۔

جواب:۔ اگر موجودہ متولی کو متولی بنانے کی اجازت واقف یا حاکم وقاضی کی طرف سے نہیں ہے تو اس متولی کو اپنی زندگی میں کسی دوسرے شخص کو متولی بنانا درست نہیں اور اگر دوسرے کو متولی مستقلاً بنائے تو وہ متولی نہ ہوگا۔

پس متولی نے جس شخص کو تولیت کے لئے نامزد کیا ہے وہ متولی نہ ہوگا بلکہ موجودہ متولی ہی کو کام انجام دینا چاہیے۔ البتہ متولی کو اس کا حق حاصل ہے کہ کسی کو اپنا وکیل بنائے جو وقف کا کام متولی کی قائم مقامی میں انجام دیتا رہے اور اس کی کچھ تنخواہ مقرر کر دے۔

Marfat.com

اور اگر موجودہ متولی معزول ہونا چاہتا ہے تو بغیر اطلاع قاضی معزول نہ ہوگا قاضی کو جب اس کے معزول ہونے کی اطلاع ہو جائے تو قاضی کو اس کی جگہ پر متولی مقرر کر دینا چاہیے۔

لیکن قاضی کو متولی بنانے میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ واقف کے قرابت دار کو تولیت سے محروم نہ کرے بلکہ جب تک واقف کے قرابت داروں میں تولیت کے لائق آدمی ملے اسی کو متولی بنائے۔

اور اگر موجودہ متولی کو حاکم وقاضی نے خیانت وغیرہ کی وجہ سے معزول کر دیا تو اس کی جگہ پر قاضی کو متولی بنانا چاہیے اور اگر عامہ مسلمین کسی کو متولی بنا دیں تو اس کی تولیت صحیح ہے۔ لیکن بعض علما کی رائے ہے کہ عامہ مسلمین کو قاضی کی اجازت سے متولی بنانا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ کسی وقف کے متولی کو اگر حاکم وقت معزول کر دے تو وہ معزول ہوگا یا نہیں۔

جواب:۔ واقف کے مقرر کردہ متولی کو واقف کے علاوہ کسی کو معزول کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ اگر مقرر کردہ متولی وقف میں خیانت کرے اور قاضی کے یہاں خیانت ثابت ہو جائے تو قاضی اسکو معزول کر سکتا ہے۔ اور متولی کا نام زدہ متولی بلا وجہ عزل معزول نہیں کیا جائے گا اگر متولی کو تفویض تولیت کا اختیار دیا گیا تھا۔

مسئلہ:۔ کیا حاکم وقت جائداد موقوفہ کیلئے متولی وقف کے ساتھ کسی نگراں کو اپنی طرف سے مقرر کر سکتا ہے یا نہیں جو متولی کہ انتظام وقف ٹھیک طور سے نہ کرتا ہو اسکو حاکم وقت معزول کر سکتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ متولی وقف کے ساتھ بمصلحت ایک نگراں کار رکھنے کا حق قاضی وحاکم شرع کو ہے جس کو مشرف کہتے ہیں اگرچہ واقف نے شرط لگا دی ہو کہ متولی وقف کا کوئی شریک کار نہ ہوگا لیکن متولی یا مشرف کو اس کا حق بالکل نہیں حاصل ہے کہ وقف کی آمدنی کو واقف کے منشا کے خلاف کسی مد میں صرف کرے۔

(۲) جو متولی انتظام وقف سے عاجز ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو جائے یا کیمیا بناتا ہو تو وہ معزول کر دیا جائے گا۔ ان عیوب مذکورہ کی وجہ سے متولی کو واقف کے بعد معزول کرنے کا حق قاضی

کو ہے اور جن مقامات میں قاضی موجود نہ ہو تو عامۂ مسلمین کو متولی کے معزول کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ قاضی کو ولایت عامہ انھیں لوگوں سے پہونچتی ہے۔

مسئلہ :۔ ایک شخص نے مسجد اور مدرسہ تعمیر کرایا تھا اور اس نے اپنی کچھ جائداد مسجد کے لئے اور کچھ مدرسہ کے واسطے وقف کر دی تھی۔ مسجد کی موقوفہ جائداد کی آمدنی خرچ سے فاضل رہتی ہے۔ اس مسجد کی رقم کو مدرسہ پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب :۔ اگر دونوں وقفوں کا واقف ایک ہو اور جہت وقف بھی متحد ہو تو ضرورت کے وقت ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرنا قاضی کو جائز ہے مثلاً زید نے ایک مکان اس لئے وقف کیا کہ اس کی آمدنی سے فلاں مسجد کی مرمت وغیرہ کرائی جائے اور دوسرا مکان زید نے اسی مسجد کے امام یا مؤذن کی سکونت کے لئے وقف کیا۔ ان دونوں مکانوں میں سے جن مکان کو زید نے سکونت امام وغیرہ کے لئے وقف کیا تھا قلت آمدنی کی وجہ سے خراب ہو گیا اور اس کے بنوانے کی ضرورت ہے اور اس مکان کی کوئی آمدنی ایسی نہیں ہے کہ اُس سے مرمت وغیرہ کرائی جا سکے البتہ دوسرے مکان کی آمدنی مصارف وقف پر صرف کرنے کے بعد فاضل موجود ہے تو قاضی اور حاکم شرع کو اختیار ہے کہ دوسرے مکان موقوفہ کی فاضل آمدنی سے اس مکان موقوفہ کی مرمت وغیرہ کرا دے اگر واقف ایک نہو یا جہت وقف متحد نہ ہو تو ضرورت کے وقت ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ شرط الواقف کنص الشارع کا کیا مطلب ہے۔ اور اگر کوئی شرط شریعت کے خلاف ہو تو اسپر عمل کیا جائے گا یا نہیں۔

جواب :۔ شرط الواقف کنص الشارع کا یہ مطلب ہے کہ شرط واقف اپنے مفہوم کے اعتبار اور معنی پر دلالت کرنے کے لحاظ سے مثل نص شرعی کے ہے۔ اور شرط واقف نص شرعی کی طرح واجب العمل ہے پس اگر واقف کی عبارت من قبیل مفسر ہو محتمل تخصیص و تاویل نہو تو مثل نص شرعی کے اسپر عمل کیا جائے گا اور اگر واقف کے الفاظ وقف من قبیل ظاہر ہوں گے تو ان پر بھی

مثل نص کے عمل کیا جائے گا اور اگر عبارت واقف کسی ایسے معنی کو محتمل ہوگی جس پر قرینہ اسکی عبارت میں موجود ہو تو واقف کی عبارت وقف اُسی معنی پر محمول ہوگی اور اگر الفاظ وقف من قبیل مشترک ہوں تو جب تک کسی معنی کو ترجیح نہ حاصل ہو جائے اُس وقت تک الفاظ مشترکہ پر عمل نہ کیا جائے گا۔ البتہ جس معنے کو ترجیح حاصل ہوگی اُسپر عمل ہوگا اور اگر الفاظ وقف من قبیل مجمل ہوں تو اگر واقف زندہ ہے تو اس سے اُس مجمل کے بیان کی درخواست کی جائے گی جو تفسیر اُس مجمل کی واقف کرے گا اُسپر عمل کیا جائے گا اور اگر واقف مر گیا ہے تو سکوت اختیار کیا جائے گا ھکذا فی الردالمحتار۔ اسی طرح شرط واقف مثل نص شرعی کے واجب ہے لیکن اگر وہ شرط خلاف شرع ہو تو واجب العمل نہیں ہے۔ ردالمحتار میں فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے فان شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع۔ اسی طرح جس شرط سے وقف کو نقصان پہونچتا ہو اُس کے خلاف کرنا بھی حاکم شرع کو جائز ہے چنانچہ کتب فقہ میں سات یا آٹھ یا گیارہ صورتیں باختلاف روایت ایسی لکھی ہیں، کہ ان میں قاضی اور حاکم شرع کو شرائط وقف کے خلاف عمل کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا کیسا ہے۔

جواب۔ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا جمہور علما کے نزدیک جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ جوتا اتار ڈالے تاکہ تواضع و خشوع ظاہر ہو۔

مسئلہ:۔ (۱) پرانے قبرستان (جس میں اب قبریں نہیں بنائی جاتی ہیں) کی اراضی پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک موضع میں ایک پرانی مسجد ہے جس کے گرد مسلمان آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ بالکل ویران ہو گئی ہے اور اس کی حالت بھی بہت خراب ہو گئی ہے اس کی بھی امید نہیں ہے کہ مسجد درست کرا کر پھر آباد ہو سکے گی، اور اگر وہ یوں ہی پڑی رہی تو اُس کی اراضی پر غیر مسلم قبضہ کر لیں گے۔ کیا اُس کی اراضی پر مسلمانوں کا قبرستان بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ مقابر مسلمین جب پرانے ہو جائیں اور نشان قبور مٹ جائیں اور اس قبرستان میں

اموات مسلمین دفن نہ کیے جاتے ہوں تو ان پر مسجد بنالینا جائز ہے۔

(۲) جو مسجد گر گئی ہو اور اُس کے ارد گرد مسلمانوں کے گھر بھی نہ ہوں تو وہ مسجد منہدم بانی مسجد کی اولاد کی ملکیت ہو جائے گی اور وہ لوگ اسپر تصرف کر سکتے ہیں نیز اگر مسلمان اُسکو مقبرہ بنانا چاہیں تو بانی مسجد کی اولاد کی اجازت سے بنا سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ ہمارے یہاں کی عیدگاہ چھوٹی ہے اُس کے متصل ایک پُرانا قبرستان ہے۔ کیا اس قبرستان کی آراضی کو عیدگاہ کے لئے لے سکتے ہیں اور اسپر عیدگاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب۔ قبرستان جاریہ کی زمین چونکہ دفن اموات مسلمین کے لئے وقف ہوتی ہے اس لئے اس قبرستان جاریہ کی جزو آراضی کو عیدگاہ کے وسیع کرنے کے لئے خریدنا اور اسپر عیدگاہ بنانا درست نہیں ہے اور اگر اس قبرستان میں تدفین بالکل موقوف ہوگئی ہو تو اس کی جزو آراضی مالک آراضی سے خریدی جا سکتی ہے لیکن مسلمان میت کے نشان قبر کو مٹانا جائز نہیں۔ اس لئے اس جزو آراضی کو اگر عیدگاہ کی توسیع کے لئے خریدا ہے تو نشان قبور مسلمین کو مٹا کر توسیع کرنا درست نہیں ہے البتہ ان قبور کے متصل خالی زمین پر اس طرح ڈانٹ بنا دی جائے کہ قبر ڈانٹ کے نیچے آجائے یعنی ڈانٹ بمنزلہ سقف ہو اور اس ڈانٹ کے اوپر عیدگاہ کا جدید فرش بنوا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں وہ ڈانٹ بمنزلہ حائل کے ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔(۱) ایسا متولی وقف جس کو واقف نے تفویض عام کے طریقہ پر متولی کیا ہو یعنی وہ معاملہ وقف میں واقف کے قائم مقام ہے کہ جس کو چاہے متولی بنائے اور عہدۂ تولیت کی وصیت جس کے حق میں چاہے کرے اس کا دوسرے کو متولی بنانا جائز ہے یا نہیں اور اسکی وصیت نافذ ہوگی یا نہیں۔

(۲) کسی وقف کے لئے متولی نامزد ہے اور اُس کے خاندان میں قدیم سے تولیت نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہے طریق الیصاء کا دستور ہے (یعنی وقت وفات ہر ایک متولی دوسرے کو اپنا قائم مقام کر دیتا ہے) کیا یہ صورت شرعاً جائز و معتبر ہے۔

جواب۔ فی الواقع واقف نے جس متولی کو شرط عام کیساتھ تولیت سپرد کی تھی یعنی واقف نے

متولی کو اس بات کا اختیار بھی دیدیا تھا کہ وہ عہدۂ تولیت کی وصیت جس کے حق میں چاہے کرے یا جس کو چاہے متولی مقرر کردے تو ایسے متولی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کے حق میں متولی ہونے کی وصیت کرے یا اپنی زندگی میں کسی کو متولی بنادے۔

(۲) اس طرح قائم مقامی اگر واقف کی تصریحات یا دواوین قضاۃ ماضیہ کے خلاف نہ ہو تو اُس تعامل و رواج کا اعتبار کیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ قبرستان کی سبز گھاس کاٹنا کیسا ہے اور قبرستان کو جانوروں کی چرائی کے لئے دینا درست ہے یا نہیں۔

بعض عوام کہتے ہیں کہ بزرگوں کے قبرستان میں بکری وغیرہ کا چرانا شرک ہے ان کا یہ قول صحیح ہے یا غلط۔ کیا قبرستان میں جھاڑو دی جاسکتی ہے۔

جواب:۔ قبرستان کی تر گھانس اوکھاڑنا مکروہ ہے اور خشک کا اوکھاڑنا مکروہ نہیں ہے۔ اور علما نے علت کراہت یہ تحریر فرمائی ہے کہ جب تک وہ گھانس تر رہے گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہیگی جس سے میت پر نزول رحمت ہوتا رہے گا جیسا کہ شامی میں ہے۔ اگر گھانس کٹوانے کی ضرورت ہو تو اسکو کاٹ لینا چاہیے۔ جانوروں کو قبرستان میں چرائی کے لئے نہ بھیجنا چاہیے۔ جب قبرستان میں جانوروں کو چرانے کی ممانعت ہے تو جانوروں کو چرانے کے لئے نہ لے جانا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کسی بزرگ کی قبر پر بکریوں کا چرانا شرک ہے بلکہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ بکریاں چرانے سے قبر کی اہانت ہوگی، قبر پامال ہوگی قبر روندی جائے گی اور یہ سب اُمور ممنوع ہیں۔ صفائی کے لئے جھاڑو دینا ہر جگہ اور ہر مقام پر جائز ہے لہذا قبرستان کی صفائی کے لئے بھی جھاڑو دینا جائز ہے۔

Marfat.com

فتاویٰ فرنگی محل

مؤسوم بہ

فتاویٰ قادریہ

الحاج مفتی محمد عبدالقادرؒ (مفتی فرنگی محل) کے

فتووں کا انتخاب

مرتبہ

(مفتی) محمد رضا انصاری

Marfat.com